بچوں کی دنیا
WWW.PAKSOCIETY.COM
ستمبر
2014
قیمت
30 روپے
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

حمد باری تعالیٰ

تیری کائنات ہے ساری
رات دن آئیں باری باری

تیری عظمت ہم کیا جانیں
تیری عظمت سب پہ بھاری

ہر موسم تیرا فن پارہ
سردی گرمی برسات بہاری

ہر دل میں تو رہتا ہے
تیری سب سے ہے دلداری

تیری شفقت سب پہ یکساں
امیرت ہو یا ناداری

نیک و بد سب تیرے بندے
تیری رحمت سب پہ جاری

دکھ کے ماروں کا تو اللہ
اُن سے تیرے ہے غم خواری

شاعر: ظفر محمود انجم راجہ جنگ

نعت رسول مقبول ﷺ

محمدؐ ہمارے محمدؐ ہمارے
محمدؐ سب انسانیت کے سہارے

جہاں بھر کی عظمت انہی کیلئے ہے
جہاں بھر کی نعمت انہی کیلئے ہے

برائی کا بدلہ بھلا دینے والے
ستم بھی اٹھا کر دعا دینے والے

ہے در آپؐ کا رحمتوں کا خزینہ
خدا مجھ کو بھی وہ دکھا دے مدینہ

مری دیر سے ہے یہی اک جستجو
رہوں سبز جالی کے میں روبرو

محمدؐ ہمارے محمدؐ ہمارے
فقط آپؐ انسانیت کے سہارے

شاعر: ظفر محمود انجم راجہ جنگ

سنیئے

بچوں کی دنیا پڑھنے والے تمام پیارے بچوں کو السلام علیکم!

بچو! اس صفحے میں ہم آپ سے ہمیشہ ضروری باتیں کرتے ہیں۔ مگر یہ سطور لکھتے ہوئے بڑا دکھ ہو رہا ہے کہ اکثر بچے ہماری باتوں پر دھیان نہیں دیتے ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ "بچوں کی دنیا" کے لئے نظمیں، کہانیاں اور لطیفے وغیرہ کسی کتاب یا رسالہ سے نقل کر کے نہ ارسال کریں۔ کیونکہ ایسی چیزیں ہم شائع نہیں کرتے بلکہ ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے۔ اُدھر ایسا نقل شدہ مواد بھیجنے والے بچے خط پر خط لکھتے ہیں کہ ہماری فلاں نظم یا فلاں کہانی آپ نے شائع کیوں نہیں کی۔ بتایئے بھلا اپنے وقت اور ڈاک خرچ ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اچھے بچے اپنے وقت اور پیسے کی قدر کرتے ہیں۔ آپ بھی ان دونوں چیزوں کی قدر کرنا سیکھیں۔

اگر آپ کو کہانی لکھنے یا نظم کہنے کا شوق ہے تو نقل کا سہارا نہ لیجئے۔ ہم آپ کی چیزیں مثلاً کہانی، نظم وغیرہ (اگر وہ تھوڑی بہت اچھی ہوئیں) تو خود درست کر کے بچوں کی دنیا میں شامل کر لیں گے تاکہ آپ کی حوصلہ افزائی ہو سکے اور آپ آگے چل کر ایک اچھے ادیب بن سکیں۔

ہمیں یقین ہے اب بچے ہماری بات ضرور مانیں گے اور آئندہ چوری کی یا نقل شدہ کہانی نہیں بھیجیں گے۔ اب کچھ باتیں زیرِ نظر ستمبر 2014ء کے شمارے کے متعلق ہو جائیں اس شمارے میں ہم نے بہترین کہانیاں، نظمیں اور لطائف شامل کئے ہیں۔ جو یقیناً آپ کو پسند آئیں گے یہ پرچہ پڑھنے کے بعد اپنی رائے ضرور لکھئے گا۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ننھے کے کارنامے

تحریر: نعیم میاں

ارشد نے فون پر بتایا کہ وہ لوگ آج رات کو اسی ہوٹل میں ملنا چاہتے ہیں۔ جس کا ذکر ابھی ننھے نے کیا تھا۔ ننھے نے ارشد سے کہا کہ تم ان لوگوں سے ملنے جاؤ میں وہاں تمہارے آس پاس ہی رہوں گا اور پھر ننھے نے رات کو ملاقات کا ٹائم پوچھا اور فون بند کر دیا۔ ننھا صرف یہ چاہتا تھا کہ ہوٹل میں وہ ارشد کے آس پاس موجود رہے تاکہ وہ پریشان نہ ہو۔ کیونکہ اس سارے معاملے کی وجہ سے ارشد بہت خوف زدہ تھا۔ ننھے نے اپنا حلیہ تھوڑا سا بدل لیا اور وقت سے پہلے ہی ہوٹل میں جا کر بیٹھ گیا اور

چائے کا آرڈر دے کر چائے پینے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی ارشد ہوٹل میں داخل ہوا اور ان لوگوں کی بتائی ہوئی میز پر جا کر بیٹھ گیا اور پھر اُس کی نظریں اِدھر اُدھر ننھے کو ڈھونڈنے لگیں اور پھر ننھے کے بدلے حلیے کے باوجود وہ ننھے کو پہچان اور مطمئن ہو گیا اور ان لوگوں کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ تینوں شخص جو پہلے بھی آئے تھے۔ ہوٹل میں

داخل ہوئے۔ اُن کے ہاتھ میں کچھ ڈبے تھے اور پھر وہ ارشد کی میز کی طرف بڑھے اور میز پر بیٹھتے ہوئے ارشد سے معانقہ کیا اور کرسیوں پر بیٹھ گئے ننھا دور بیٹھے ہوئے ان کی حرکتوں پر غور کر رہا تھا اور پھر اُنھوں نے ایک ڈبہ کھولا۔ اُس میں سے ٹافیوں کے کچھ پیکٹ نکال کر ارشد کو کچھ سمجھانے لگے اور واپس پیکٹ ڈبے میں ڈال کر ارشد کی طرف

بڑھا دیئے اور پھر اُن میں سے ایک شخص نے اپنی جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر ارشد کی طرف بڑھائی۔ ارشد نے رقم پکڑنے سے پہلے ننھے کی طرف نظر اُٹھائی۔ جیسے پوچھ رہا ہو کہ میں رقم لوں یا نہ لوں۔ ننھا بھی اُس کی بات سمجھ گیا اور اُس نے ہلکا سا سر کو ہاں میں ہلا کر اشارہ کیا تو ارشد نے وہ گڈی پکڑ لی۔ ارشد کو رقم پکڑا کر وہ لوگ اُس سے کچھ باتیں کرنے لگے اور پھر تیزی سے اُٹھ کر ہوٹل سے باہر چلے گئے۔ ننھے نے ارشد کو بھی ہوٹل سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی ارشد ہوٹل سے نکلا۔ ننھا بھی اُس کے پیچھے نکل گیا۔ لیکن اُس نے اُس وقت ارشد سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے کہ ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ چھپ کر ارشد کی

حرکات پر نظر رکھے ہوں۔ ارشد وہ پیکٹ اٹھائے ہوئے سیدھا اپنی دکان پر پہنچا۔ دکان پر بیٹھنے کے کچھ دیر بعد ارشد نے ننھے کے سیل فون پر رابطہ کیا۔ ننھا بھی بے چینی سے اُس کا انتظار کر رہا تھا اور پھر ارشد نے ننھے کو اپنے گھر شام کے وقت بلوایا۔ ارشد اِس معاملہ میں بہت احتیاط کر رہا تھا کہ اگر اُن لوگوں کو ارشد پر ذرا سا بھی شک ہو جاتا

تو وہ لوگ ارشد کو نقصان بھی پہنچا سکتے تھے۔ شام کو ننھا ارشد کے گھر پہنچ گیا۔ اور وہ پیکٹ جو اُن لوگوں نے ارشد کو دیا تھا۔ ننھا اُسے غور سے دیکھنے لگا وہ عام کینڈیز، چاکلیٹ اور ٹافیوں کے پیکٹ کی طرح ہی تھے اور یقیناً اُن لوگوں نے وہ نشہ آور چیز ان ٹافیوں اور کینڈیز میں ملائی ہوئی تھیں۔

(پھر کیا ہوا اگلے شمارے میں پڑھیں)

فارس کا شہر دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ غریبوں، مسکینوں میں خوب خیرات بانٹی جا رہی تھی۔ ساری رعایا خوشیاں منا رہی تھی۔ دس سال بعد بادشاہ طرطوش کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تھا۔

تخت و تاج کا وارث جس کے لیے بادشاہ اور ملکہ نے منتیں اور مرادیں مانی تھیں۔ اس لئے شاہی خزانوں کے موتیوں، بیواؤں اور غریبوں کے لئے کھول دیے گئے تھے۔

دس سال ہنسی خوشی بیت گئے، اب شہزادے کی عمر دس سال ہو چکی تھی لیکن وہ جسمانی اعتبار سے نوجوان لگنے لگا تھا۔ کافی ذہین تھا۔ اس لیے اس نے پڑھائی کے ساتھ ساتھ فنونِ سپاہ گری میں بھی جلدی ہی کمال حاصل کر لیا تھا۔ ایک روز شہزادہ حارث جو شکار کا شوقین تھا اپنی سلطنت کے جنگل میں شکار کھیلنے گیا۔ اچانک اسے گھنی جھاڑیوں کے اندر سے
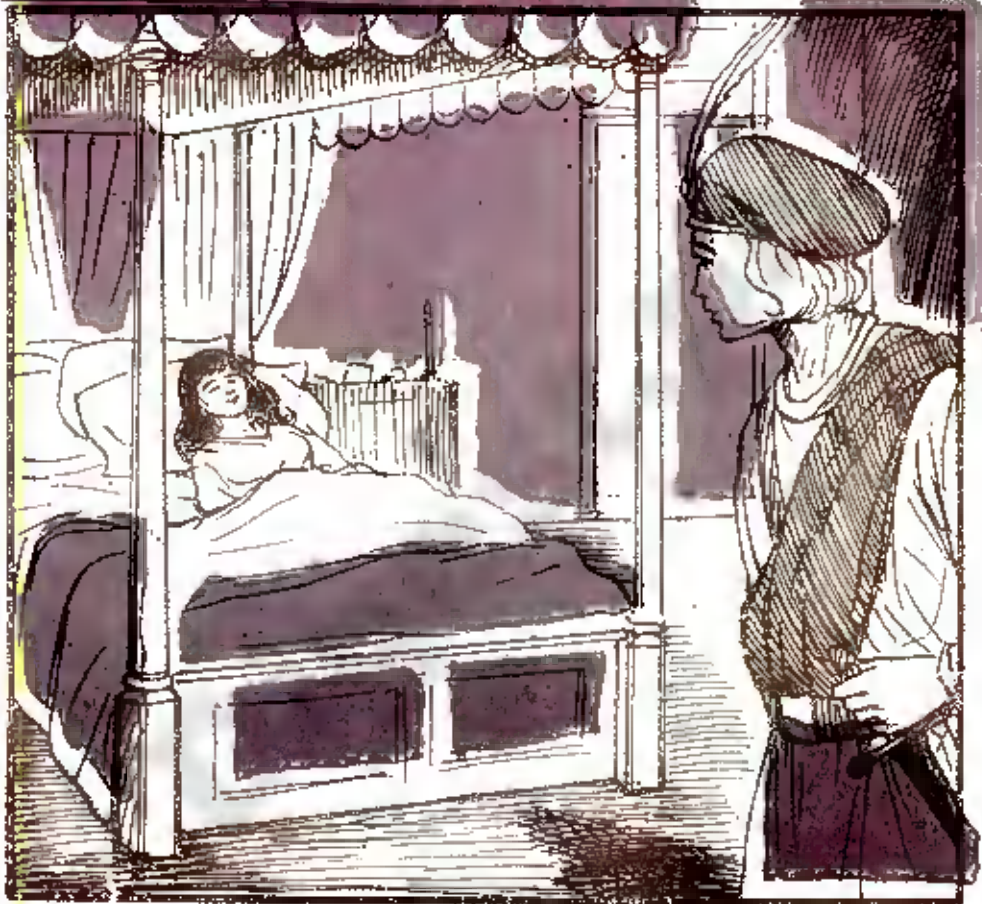
سے ایک سنہری رنگ کا ہرن نکلتا دکھائی دیا۔ شہزادے حارث
نے اس کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ ہرن بڑا خوبصورت تھا۔
شہزادہ اُسے شکار کرنے کی بجائے زندہ پکڑنا چاہتا تھا۔ ہرن
نے جونہی شہزادے کو اپنے پیچھے آتے دیکھا تو چوکڑیاں بھرنے
لگا۔ شہزادے نے بھی اپنے گھوڑا اس کے تعاقب میں ڈال
دیا۔ کئی گھنٹوں کے بعد جب شہزادہ تعاقب سے تنگ آ گیا اور

وہ کسی بھی صورت ہرن کو پکڑنے میں کامیاب نہ ہوسکا تو اس نے تیر اپنی کمان پر چڑھالیا اور پھر تاک کر ہرن پر چھوڑ دیا۔"
تیر ہرن کے جسم میں لگا اور وہ گر کر تڑپنے لگا۔ لیکن جونہی شہزادہ اس کے پاس پہنچا وہ ہرن سیاہ رنگ کے دھوئیں میں تبدیل ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہوگیا۔ شہزادے کو بڑی حیرت بھی ہوئی اور مایوسی بھی۔ آخر دن بھر گزار کر وہ ناکام اپنے محل لوٹ آیا۔ رات شہزادہ حارث اپنے باپ اور ماں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ ماں نے اس کی اداسی اور خاموشی کے متعلق حارث سے پوچھا۔ حارث نے مسکراتے ہوئے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ اچانک سیاہ رنگ کا دھواں فرش سے نمودار ہوا اور گھومتے ہوئے ایک ستون کی طرح ان کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ پھر اس سیاہ رنگ کے دھوئیں میں شعلے سے نمودار ہوئے اور ان شعلوں نے ایک ہیولے کی شکل اختیار کر لی۔ بادشاہ ملکہ اور حارث نے حیرت سے دیکھا۔ ان کے سامنے آگ کا بنا ہوا ایک بھیانک وجود کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ اتنا خوفناک تھا کہ تینوں کے جسم کانپ کر رہ گئے۔ اب اس آگ کی مخلوق نے اپنی گرجدار آواز میں بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

طرطوش تیرے اس بیٹے نے میرے بیگناہ بیٹے کو ہلاک کر دیا ہے۔ اب بتا شہزادے کو سزا تو دے گا یا میں اسے سزا دوں۔

شہزادے حارث نے حیرت سے جواب دیا۔ کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ میں نے تمہارے بیٹے کو کب قتل کیا ہے؟

آگ کی مخلوق نے غصے کے ساتھ جواب دیا۔

اُس سنہری ہرن کو بھول گیا۔ کیا گناہ کیا تھا اُس نے۔ وہ میرا ہی بیٹا تھا۔ کیوں ہلاک کر دیا اُس کو تو نے۔ بادشاہ یا تو اس کا سر اتار کر میرے حوالے کر دے ورنہ میں خود اسے سزا دوں گا ایسی سزا کہ زمین اور آسمان بھی کانپ جائیں گے۔

بادشاہ نے جواب دینے کی بجائے اپنا خنجر اس پر پھینک مارا۔ لیکن اسے حیرت ہوئی جب اُس کا خنجر اس آگ کے انسان کے جسم سے پار ہوگیا جیسے وہ ٹھوس جسم نہ ہو بلکہ محض ایک سایہ ہو۔ آگ کے انسان نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ سارے کمرے میں سیاہ دھواں چھا گیا پھر جب یہ دھواں ختم ہوا تو شہزادہ حارث غائب تھا۔

ملکہ نے اپنے بال نوچ لئے اور روتے ہوئے کہا۔

ہائے میرا بیٹا۔ضرور وہ آگ کا انسان اُسے سزا دینے کے لیے اٹھا لے گیا ہے۔کچھ کرو بادشاہ ورنہ میں تو اس کی جدائی میں مر جاؤں گی۔

اس واقعے کو سننے کے بعد تمام اہل دربار حیرت میں گم تھے۔کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔شہزادے کی تلاش میں ملک کا کونہ کونہ چھان مارا گیا لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔

دوسری طرف آگ کے انسان نے اپنے جادو کے زور سے شہزادے کو پھول بنا کر محل کے باغیچے میں موجود ایک درخت پر لگا دیا اور کہا۔

ایک بار مرنے سے یہ بہتر ہے تو ہر روز مرے۔اپنی آنکھوں سے پھول کی شکل میں اپنی ماں اور باپ کو رات دن تڑپتا دیکھتا رہے۔تیرے تاج وتخت کے لیے سازشیں ہوتی رہیں لیکن تو سب کچھ دیکھ کر بھی سن کر بھی خاموش رہے اور تڑپتا رہے۔

شہزادہ رات رات بھر اپنی ماں کے رونے اور تڑپنے کی آوازیں بھی سنتا اور دیکھتا۔اس کی جدائی میں اُس کا باپ بیمار رہنے لگا تھا۔تاج وتخت کے لیے نمک حرام افسر سازش کرتے۔ وہ سب کچھ دیکھتا،سنتا،تڑپتا لیکن کسی کچھ نہ کہہ سکتا۔وہ رات رات بھر روتا۔دن کے وقت محل کے ملازمین اس کے آنسوؤں کو شبنم کے قطرے سمجھتے۔

ایک روز بیمار بادشاہ اور ملکہ اس درخت کے نیچے بیٹھے بیٹے کی جدائی میں رو رہے تھے۔اُن کے اوپر شاخ پر پھول کی شکل میں شہزادہ بھی آنسو بہا رہا تھا۔اس کے آنسو اس کی ماں کی گود میں گر رہے تھے۔ملکہ نے اوپر دیکھا ایک پھول تھا۔جس سے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ملکہ نے بادشاہ سے کہا۔

دیکھو ہماری حالت پر تو اب اس باغ کے پھول بھی رونے لگے ہیں۔

بادشاہ نے سوگوار ہوتے ہوئے پھول کو دیکھا اور کہا۔

ملکہ بھلا پھول بھی رویا کرتے ہیں۔پگلی یہ تو شبنم کے قطرے ہیں۔

باپ کی بات سن کر شہزادے کے دل پر تیر سا لگا لیکن وہ کیسے اپنے ماں باپ کو بتائے میں پھول نہیں تمہارا وہی جگر گوشہ

ہوں جس کے لیے تم رو رہے ہو۔

اچانک باہر سے کسی فقیر کی آواز آئی۔

چلو بھر خون دو اور کھوئی ہوئی چیز پالو۔

بادشاہ اور ملکہ نے جب یہ صدا سنی فوراً غلام کو بھیج کر اس فقیر کو طلب کیا۔

جونہی فقیر آیا۔ بادشاہ نے کہا۔

اگر چلو بھر خون کے بدلے ہمیں ہمارا گمشدہ بیٹا مل سکتا ہے تو بابا میں خون دینے کے لیے تیار ہوں۔

بیٹا تو مل جائے گا لیکن ایک بات غور سے سن لو جس کی جان میں تمہارے چلو بھر خون سے بچانا چاہتا ہوں اس کی جان کے بدلے خون دینے والے کی جان چلی جائے گی۔ بیٹا مل جائے گا لیکن تم دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے۔

ملکہ نے سنا تو فوراً کہا۔

نہیں یہ خون میں دوں گی۔ بھلا ایک عورت یہ کیسے برداشت کر سکتی ہے کہ اس کا سرتاج تو قربانی دے اور وہ بیوہ بن کر زندگی گزار دے خون میں دوں گی۔ بیٹا مل جائے گا تو میں اپنے خاوند کی نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہوں گی۔

بادشاہ اور ملکہ دونوں ہی قربانی دینے پر بضد تھے۔ آخر قرعہ ڈالا گیا اور بادشاہ کا نام نکل آیا۔ فقیر کی جھونپڑی میں ایک لاش پڑی تھی۔ فقیر نے اپنا خنجر نکال کر بادشاہ سے کہا۔

تیار ہو جاؤ۔ اس کے بعد اس نے بادشاہ کی کلائی پر خنجر سے زخم لگایا اور خون سے چلو بھر کر اس لاش پر چھڑک دیا۔ یہ لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اچانک باہر سے اڑتا ہوا ایک سر آیا جس کی گردن سے خون ٹپک رہا تھا۔ فقیر نے جلدی سے چادر ہٹائی لاش بغیر سر کے تھی وہ سر آ کر اس کے جسم سے جڑ گیا اور مردہ جسم زندہ ہو کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

بادشاہ کا سر دھڑ سے کٹ کر گرا۔ زندہ لاش نے دیکھ کر کہا۔

اب تو بھی برف کے شہر میں جا کر درخت سے لٹک جا۔

بادشاہ کا سر اڑتے ہوا کٹیا سے باہر نکل گیا۔

ملکہ سوگوار حالت میں پھول والے درخت کے نیچے بیٹھی رو رہی تھی کہ ایک پھول آ کر اس کی گود میں گرا اور پھر اس پھول نے شہزادے حارث کا روپ دھار لیا۔ ماں دیوانوں کی طرح چیخ مار کر بیٹے سے لپٹ کر رونے لگی اور ساری کہانی

سناتے ہوئے کہا۔

باپ نے جان کی قربانی دے کر تجھے حاصل کیا ہے۔

کاش وہ بھی تجھے دیکھنے کو زندہ رہتے۔

شہزادہ حارث نے کہا۔

ماں اگر باپ اولاد کے لیے قربانی دے سکتا ہے تو اولاد

بھی اپنی جان قربان کر سکتی ہے۔

حارث فقیر کی جھونپڑی میں بیٹھا تھا اور فقیر کہہ رہا تھا۔

اگر باپ کے لیے تم بھی قربانی دینا چاہتے ہو تو پھر برف کے شہر جاؤ۔ برف کے شہر میں روحوں کی بستی ہے وہاں موجود مخلوق سال بھر مردہ حالت میں رہتی ہے۔ سال کے بعد ایک دن ایسا آتا ہے جب یہ روحیں اپنے جسموں میں واپس آتی ہیں۔ وہاں جا کر تمہیں تمام درختوں پر پھولوں اور پھلوں کی جگہ انسانی سر لٹکے نظر آئیں گے۔ ان میں تمہارے باپ کا سر بھی ہوگا۔ اس شہر کی آبادی خدا کے قہر سے برف کے عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئی تھی لیکن اس شہر کی ایک شہزادی نور عالم بڑی عبادت گزار اور نیک تھی۔ اس کا مردہ جسم تمہیں اس کے کمرے میں پلنگ پر پڑا دکھائی دے گا جو سنگ مرمر کے محل میں موجود ہے۔ وہاں جا کر تم روحوں کے واپس آنے کا انتظار کرنا۔ جب شہزادی کے مردہ جسم میں روح لوٹ آئے تو اس سے اپنی بپتا بیان کرنا۔ وہ تمہیں ایسا طریقہ بتا سکتی ہے جس سے دوبارہ تمہارا باپ زندہ ہو سکتا ہے۔

شہزادہ راستے کی مصیبتیں جھیلتا، بلاؤں اور درندوں کا مقابلہ کرتا آخر کئی مہینوں کے بعد فقیر کے بتائے ہوئے پتے پر ایک برف کے بہت بڑے پہاڑ کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے حیرت سے دیکھا پورا ہی شہر برف کا بنا ہوا تھا۔ یہاں تک یہاں موجود انسان اور جانور کے مردہ جسم بھی برف کے بنے ہوئے تھے۔ دوکانیں بھی تھیں۔ چیزیں موجود تھیں لیکن انسان مردہ تھے۔ وہ گھومتے ہوئے ایک جگہ جا نکلا جہاں بیشمار بڑے بڑے درخت موجود تھے اور ان درختوں پر پھولوں اور پھلوں کی جگہ انسانی سر لٹک رہے تھے۔ پورا جنگل ہی ایسے درختوں سے بھرا پڑا تھا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ ان کٹے ہوئے سروں سے خون بہہ بہہ کر ایک خون کی جھیل بن گئی تھی جو کافی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ تلاش کرتے ہوئے آخر حارث کو وہ درخت مل گیا جہاں بہت سے سروں کے درمیان اس کے باپ کا سر بھی

لٹک رہا تھا۔ حارث باپ کے سر کے پاس جا کر خوب جی بھر کر رویا۔ اُسے پیار کیا اور پھر یہاں سے اُس نے سفید محل کا رخ کیا۔ جلدی ہی وہ ایک کمرے میں جا نکلا جہاں ایک عالیشان مسہری پر ایک انتہائی حسین شہزادی کی لاش پڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا۔ یہ چاندی کا مجسمہ آرام کی نیند سو رہا ہے۔

اب وہ روز دن بھر اپنے باپ کے پاس جا کر آنسو بہاتا اور رات جا کر شہزادی کے کمرے میں گزار کر روحوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

ایک رات اچانک سوتے میں کوئی آواز سن کر وہ بیدار ہو گیا۔ اس نے حیرت سے دیکھا شہزادی نور عالم کمرے میں ٹہل رہی تھی اور شہر میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ بیٹھا شہزادی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

خوش آمدید اے مہمان۔

حارث نے اس سے زیادہ خوبصورت اور حسین لڑکی اپنی زندگی میں نہ دیکھی تھی۔ اب شہزادے نے اُسے اپنی تمام بپتا سے آگاہ کیا۔ شہزادی نے سن کر جواب دیا۔

پیارے شہزادے جان کا بدلہ جان ہے۔ ایک چلو بھر خون سے تمہارا باپ زندہ ہو سکتا ہے لیکن خون دینے کے بعد تم مر جاؤ گے۔

حارث نے جواب دیا۔

نیک شہزادی اگر والدین اولاد کے لیے جان کی قربانی دے سکتے ہیں تو کیا اولاد اپنے والدین کے لیے جان نہیں دے سکتی۔ میری والد زندہ ہو گئے تو ہو سکتا ہے خداوند کریم انہیں دوسرا تاج و تخت کا وارث عطا کر دے۔ میں تیار ہوں۔

شہزادی نے حارث کے جسم سے چلو بھر خون لے کر کچھ پڑھ کر پھونکا اور اُسے بادشاہ کے سر پر چھڑک دیا۔ اسی وقت بادشاہ کا کٹا ہوا سر خون کی جھیل میں گرا۔ اس جھیل سے بادشاہ جسم نمودار ہوا۔ سر دھڑ سے جڑ گیا اور بادشاہ کلمہ پڑھتا ہوا خون کی جھیل سے تیرتا ہوا باہر آ گیا۔ اس نے آتے ہی حارث کو سینے سے لگا لیا۔ لیکن پھر شہزادی کو دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حارث کا سر سلامت رہا وہ کٹ کر نہیں گرا۔

محل میں آنے کے بعد شہزادی نور عالم نے حارث سے پوچھا۔

تم نے کون سا ایسا عمل کیا ہے جس کی بدولت تمہاری

جان بچ گئی۔

اس سے پہلے کے حارث کوئی جواب دے ایک فرشتہ دیوار میں سے گزر کر اندر داخل ہوا اور کہا۔اس کا جواب میں دیتا ہوں شہزادی یاد رکھو انسان کی نیکی کبھی برباد نہیں ہوتی۔حارث نے اپنے باپ کے لیے جو اپنی جان کی قربانی پیش کرنے کے لئے چلو بھر خون پیش کیا یہ فرمانبرداری اور محبت کا وہ عمل تھا جو اللہ تعالیٰ کو پسند آیا۔

اپنے باپ کے سر سے لپٹ کر یہ کئی روز اس طرح رویا ہے کہ عرش الٰہی کو اس نے ہلا کر رکھ دیا ہے۔اس نیکی کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی عطا کر دی ہے۔

شہزادی نے سوگوار ہو کر کہا۔

اے خدا کے فرشتے میں نے بھی اپنی ساری زندگی خدا کی عبادت میں گزاری تھی لیکن میری نیکیوں کا صلہ مجھے کیوں نہیں ملا۔میں بھی اس شہر کے گنہگاروں کی طرح مردہ پڑی ہوں۔

فرشتے نے جواب دیا۔

کون کہتا ہے نیکیوں کا بدلہ نہیں ملتا۔

میری بیٹی ہر کام کے لیے وقت مقرر ہے۔اب وہ وقت آ گیا ہے۔اللہ نے حارث کے لیے تمہیں بھی تمہارے حصے کی بقیہ زندگی عطا کر دی ہے پہلے تم اپنے ملک کی شہزادی تھی اب اس بادشاہ کی بہو اور شہزادہ حارث کی بیوی بن کر یہاں سے جاؤ گی۔فرشتہ غائب ہو گیا۔حارث نے محبت سے شہزادی کی طرف دیکھا۔شہزادی نور عالم شرما گئی۔بادشاہ نے کہا۔

بیٹی آج کے بعد تم میری بہو بھی ہو اور مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز بھی۔چلو میری بیٹی تمہاری ساس حارث کی والدہ تمہارا شدت سے انتظار کر رہی ہو گی۔اپنے ملک آتے ہی حارث کی دھوم دھام سے شہزادی کے ساتھ شادی ہو گئی۔حارث نے پھر کبھی کسی جانور پر تیر نہ چلایا۔بچو ہمیں انسانوں کے ساتھ ساتھ مظلوم جانوروں پر بھی رحم کرنا چاہیے۔اس لیے کے وہ بھی جاندار ہیں اور انہیں بھی قدرت نے زندہ رہنے کا حق دیا ہے۔

وہیل

دیکھو چلتا جائے وہیل
سر خود کو خوب گھمائے وہیل

اس کی قسمت میں ہیں چکر
چکر پہ چکر کھائے وہیل

اشارہ دو تو لو دو گیارہ
جھٹ منزل پہ پہنچائے وہیل

لاری تانگہ موٹر گاڑی
ان کو خوب بھگائے وہیل

سب لمبے سفر ختم ہوئے
اب لمبے سفر مٹائے وہیل

واہ اللہ تیری یہ قدرت
جہازوں کو بھی اڑائے وہیل

وہیل کے بن دنیا بے کار
ہر شعبے میں کام آئے وہیل

ساری دنیا میں یہ گھومے
اور ذرا نہ گھبرائے وہیل

سفر کرے یہ لاکھوں میٹر
تھکے نہ خود ہمیں تھکائے وہیل

ڈر ہوں میں ہر دم بچو
بھاگ کہیں نہ جائے وہیل

شاعر: ظفر محمود انجم

پھول شہزادی

صدف گیلانی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بڑا رحمدل اور سخی انسان تھا۔ بدقسمتی سے اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک روز بادشاہ بڑا اداس اپنے جھروکے میں بیٹھا تھا کہ ایک فقیر کا ادھر سے گزر ہوا۔ بادشاہ نے اس بزرگ فقیر کو اپنا دکھ سنایا۔ بادشاہ کی دکھ بھری داستان سن کر فقیر نے اپنی جھولی میں سے ایک تر و تازہ

گلاب کا پھول نکالا۔ پھر بادشاہ کو دیتے ہوئے کہا" بادشاہ یہ پھول ملکہ کے کمرے میں رکھوا دینا۔" اتنا کہہ کر فقیر چلا گیا۔ بادشاہ نے وہ پھول ملکہ کے کمرے میں رکھوا دیا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد ملکہ کے یہاں ایک حسین وجمیل شہزادی پیدا ہوئی۔ شہزادی کے بال دھوپ کی سنہری کرنوں کی مانند سنہرے اور بدن پھول کی طرح نازک تھا۔ اسی لیے ملکہ اور بادشاہ نے شہزادی کا نام "پھول" رکھا۔ وقت گزرتا گیا۔ جب شہزادی سولہ برس کی ہوئی تو بادشاہ نے بہت بڑا جشن کیا اس جشن میں بہت سے ملکوں کے بادشاہ شہزادے اور راجکمار شامل ہوئے۔ اس دن "پھول شہزادی" نے ہیروں کے خوبصورت زیورات اور سرخ رنگ کا بڑا ہی پیارا لباس پہنا۔ اس وقت شہزادی اتنی حسین اور خوبصورت لگ رہی تھی کہ کوئی بھی شخص تعریف کے بغیر نہ رہ سکا۔ اسی دن شہزادی کی منگنی ہوئی تھی جس شہزادے سے شہزادی کی منگنی پرار پائی تھی اس شہزادے کا نام فرہاد تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ اس شہزادے کے ساتھ ایک جادوگرنی شادی کرنا چاہتی تھی، جو کہ شہزادے کے محل میں ایک خوبصورت لڑکی کا بھیس بدل کر رہ رہی تھی۔ لیکن جب اس جادوگرنی کو شہزادے کی منگنی کا پتہ چلا تو اس کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ اس نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا۔ اسی وقت "پھول شہزادی" کے محل میں ایک زبردست طوفان آیا، ایک دم اندھیرا چھا گیا۔ جب یہ طوفان تھما تو دیکھا کہ شہزادی غائب تھی۔ سارے محل میں ایک کہرام مچ گیا۔

ادھر جادوگرنی نے شہزادی پھول کو شاہی محل سے اغوا کر کے لال پہاڑ پر واقع پرانے محل میں قید کر دیا۔ بادشاہ اپنی پیاری اور اکلوتی بیٹی کے غائب ہونے سے اداس ہو گیا۔ اس نے اعلان کروا دیا کہ جو بھی شہزادی کو ڈھونڈ کر لائے گا اسے بہت سا انعام واکرام دیا جائے گا۔ بہت سے شہزادے اور راجکمار شہزادی کی تلاش میں گئے لیکن سب ناکام لوٹے۔ آخر کار سب تھک ہار کر خاموش ہو رہے۔ آخر میں شہزادہ فرہاد جس کے ساتھ شہزادی کی منگنی ہوئی تھی اپنے والدین سے اجازت لے کر شہزادی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ شہزادہ کئی جنگلوں سے گزرا۔ اس کے راستے میں کئی خونخوار جانور آئے لیکن شہزادے نے بڑی بہادری سے ان سب کا مقابلہ کیا۔ ایک روز شہزادہ ایک درخت کے نیچے سو گیا۔ ابھی شہزادہ فرہاد کو سوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ پریوں کی ملکہ کا ادھر سے گزر ہوا جب انہوں نے شہزادے کو سویا ہوا دیکھا تو سب آپس میں باتیں کرنے لگیں۔

ایک نے کہا یہ تو آدم زاد ہے۔ ابھی یہ باتیں کر رہی تھیں کہ شہزادہ فرہاد جاگ پڑا۔ شہزادہ پریوں کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ جب پریوں نے شہزادے کو حیران ہوتے دیکھا تو سب مسکرادیں اور پریوں کی ملکہ نے اپنائیت سے شہزادے سے کہا "اچھے شہزادے گھبراؤ نہیں۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور پھر پریوں کی ملکہ نیلم پری بولی۔ "تم کچھ اداس نظر آ رہے ہو۔" جب شہزادے نے پریوں کی ملکہ کے منہ سے ہمدردی کے الفاظ سنے تو اس کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے اپنی تمام کہانی ملکہ کو کہہ سنائی ملکہ پری بولی۔ "شہزادے تم فکر نہ کرو۔ اس کے ساتھ ہی ملکہ پری نے اپنے ہاتھ فضا میں بلند کیے اور جب اس نے ہاتھ نیچے کیے تو اس کے ہاتھوں میں ایک قالین، تلوار اور مالا تھی۔ اس نے یہ چیزیں شہزادے کو دیتے ہوئے کہا" جب تم مالا پہنو گے تو کسی کو نظر نہ آؤ گے اور جب تم قالین پر بیٹھ کر جہاں جانے کا نام لو گے وہیں پہنچ جاؤ گے اور یہ تلوار تمہارا ہر جگہ ساتھ دے گی۔" اتنا کہہ کر پریاں غائب ہو گئیں۔ شہزادے نے تینوں چیزیں سنبھالیں اور انجان منزل کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے شہزادہ فرہاد ایک گھنے جنگل میں پہنچا اور کچھ دیر ستانے کے خیال سے وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ ابھی شہزادے کو وہاں بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اسے جھاڑیوں سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ شہزادہ ایک دم چوکنا ہو گیا اور اس نے پری کی دی ہوئی مالا پہن لی تاکہ وہ کسی کو نظر نہ آسکے۔ شہزادے نے دیکھا کہ ایک نہایت خوفناک شکل کی عورت جھاڑیوں میں سے نکلی۔ پہلے تو شہزادہ اس عورت کو مارنے لگا لیکن پھر کچھ سوچ کر شہزادہ فرہاد نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ دراصل وہ جادوگرنی ہی تھی۔ شہزادہ اس کے پیچھے چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد جادوگرنی لال پہاڑ کے پیچھے چل پڑی۔ شہزادہ بھی اسی طرف چل دیا۔ اس نے دیکھا کہ پہاڑ کے پیچھے ایک بہت بڑا محل ہے جو کہ سیاہ رنگ کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ جادوگرنی اس میں چلی گئی۔ شہزادہ بھی محل میں داخل ہو گیا۔ جب شہزادہ اندر گیا تو اسے کسی عورت کی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ ابھی شہزادہ فرہاد ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ شہزادے کو جادوگرنی اندر داخل ہوتی نظر آئی اور اس کے ساتھ ہی کمرے میں چلا گیا۔ سامنے شہزادی پھول رسیوں سے بندھی زار و قطار رو رہی تھی۔ شہزادہ یہ منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ جادوگرنی نے ایک زبردست قہقہہ لگایا اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ شہزادہ

اس کے پیچھے چل دیا اس نے دیکھا کہ جادوگرنی نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک خوبصورت لڑکی میں تبدیل ہوگئی۔

شہزادہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ تو وہی لڑکی ہے جو اس کے محل میں رہتی ہے۔ یہ دیکھ کر شہزادہ فرہاد ساری کہانی سمجھ گیا اور اس نے آگے بڑھ کر جادوگرنی کو تلوار کے ایک ہی وار سے ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔

جادوگرنی کے مرتے ہی وہاں سے لال پہاڑ اور محل غائب ہوگیا اور شہزادی پھول اور شہزادہ فرہاد ایک میدان اکیلے کھڑے تھے۔ شہزادی پھول، شہزادہ فرہاد کو دیکھ کر بہت حیران ہوئی۔ شہزادے نے شہزادی کو ساری کہانی کہہ سنائی اور پھر دونوں ملکہ پری کے قالین پر بیٹھ کر شہزادی کے ملک پہنچ گئے۔ بادشاہ اور ملکہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

کئی دن تک ملک بھر میں چراغاں ہوتا رہا۔ غریبوں میں کھانا تقسیم کیا گیا۔ خزانے کا منہ کھول دیا۔

کئی دن تک ملک بھر میں جشن ہوتا رہا اور کچھ دنوں بعد شہزادی پھول اور شہزادہ فرہاد کی شادی ہوگئی اور یوں سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

لطیفے

☆ ایک بڑے میاں سائیکل پر جا رہے تھے۔ اچانک ایک سائیکل سوار ان سے ٹکرایا۔ بڑے میاں فوراً چلائے۔ ہائے مار دیا۔ ہائے مار دیا ارے بھئی تم بریک نہیں مار سکتے تھے۔

سائیکل سوار: آپ بریک کی بات کرتے ہیں میں نے ساری سائیکل آپ کو ماری ہے۔

☆ گداگر: ایک فقیر اندھے کی مدد کرو۔ دس پیسے کا سوال ہے۔

شخص: تمہارے اندھے ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

گداگر: وہ سامنے والا گڑھا مجھے بالکل نظر نہیں آ رہا۔

☆ استاد: نواز تمہیں مشہور مشہور لڑائیاں یاد ہیں۔

نواز: ہماری ماں نے روکا ہے گھر کی بات باہر نہیں بتاتا۔

کالی موت

تحریر: راشد شکیل عکاس

(دوسرا اور آخری حصہ)

نوٹ: (اس کہانی کا پہلا حصہ جولائی 2014 میں شائع ہوا تھا اگست کے شمارے میں اس کا دوسرا اور آخری حصہ شائع نہ ہو سکا جو کہ اس ماہ معذرت کے ساتھ آپ بچوں کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے)

رات کا وقت تھا۔ جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ انسپکٹر عادل اپنے ساتھیوں کے ساتھ محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ جنگل کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں کو چاروں

طرف پھیل جانے کا حکم دیا اور خود سب انسپکٹر جمیل کے ساتھ سرخ کیبن کی تلاش میں چل دیا۔ اندھیرے میں ٹارچ روشن کرنا خطرناک تھا۔ خوش قسمتی سے آج چاند نکلا ہوا تھا اس لئے اس کی روشنی میں چند گز دور کی چیز دکھائی دے جاتی تھی۔ جلد ہی وہ کیبن کے نزدیک پہنچ گئے۔ انسپکٹر عادل نے جمیل کو کچھ فاصلے پر روک دیا اور خود محتاط ہو کر زمین پر رینگتا ہوا کیبن کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر اس نے سر اٹھا کر اندر جھانکا۔ کیبن خالی پڑا تھا۔ اچانک فائر ہوا اور گولی انسپکٹر عادل کے قریب زمین میں دھنس گئی۔ انسپکٹر عادل فوراً درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ گولی کیبن کے سامنے کے درخت سے چلائی گئی ہے۔ ایک چیخ سنائی دی اور کوئی دھم سے نیچے گرا۔ ادھر انسپکٹر جمیل کی طرف سے بھی فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ انسپکٹر عادل کو صورت حال سمجھنے میں دیر نہ لگی وہ جان گیا کہ دشمن کے آدمی جنگل میں چاروں طرف چھپے ہوئے ہیں انسپکٹر عادل جمیل طرف رینگنے لگا۔ اکا دکا گولی اب بھی چل رہی تھی شاید دشمن کو ان کی صحیح پوزیشن کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ انسپکٹر عادل نے جمیل کے کان میں سرگوشی کی فوراً اس جھے سے نکل چلو ورنہ دشمن ہمیں چاروں طرف سے گھیر لے گا۔ خبردار ہرگز کوئی آواز پیدا نہ ہونے پائے دونوں بے آواز رینگتے ہوئے جنگل کے اس

حصے سے دور نکل آئے۔ اچانک جنگل میں بن مانس کی خوفناک غراہٹیں گونج اٹھیں اس کے ساتھ ہی بہت سے آدمیوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں "کالی موت" "کالی موت" اس کے ساتھ ہی بھاگتے قدموں کی آوازیں آنے لگیں اس کے بعد فائر اور چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔

"سر ہمارے آدمی بن مانس سے ڈر کے بھاگ رہے ہیں اور دشمن کی گولیوں کا نشانہ بن رہے ہیں" سب انسپکٹر جمیل نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "ہاں مجھے افسوس ہے ضروری ہتھیاروں کے بغیر ہم اس بلا کا مقابلہ نہیں کر سکتے مجھے خیال ہی نہ تھا کہ جنگل میں رات کے وقت اس بلا سے ٹکراؤ ہو جائے گا۔" وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ قریب ہی غراہٹ کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی درختوں کی ٹہنیوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دی۔ دونوں دم سادھ کر جھاڑیوں میں دبک گئے۔ پھر انہوں نے ایک دیو قامت بن مانس کو آتے دیکھا۔ اتنا بڑا اور قوی ہیکل بن مانس انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک آدمی دبوچ رکھا تھا۔ جو اس کی گرفت سے نکلنے کے لئے بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ "کالی موت" انسپکٹر عادل کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔ سب انسپکٹر جمیل نے پستول سیدھا کر لیا لیکن انسپکٹر عادل نے گولی چلانے سے منع کر دیا۔ اگر کالی موت کو ہماری موجودگی کا علم ہو گیا تو

پھر ہمارا بچنا بھی محال ہے۔ جمیل خاموش ہو گیا۔ ''کالی موت'' نے ہاتھ میں دبوچے ہوئے آدمی کو زمین پر پٹخ دیا۔ پھر اسے اٹھا کر درخت سے دے مارا۔ وہ آدمی فوراً مر گیا۔ یہ منظر دیکھ کر جمیل کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ''کالی موت'' نے فوراً ان کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ''بھاگو! جنگل سے باہر کی طرف۔'' انسپکٹر عادل چیخا اور پوری قوت سے دوڑ لگا دی۔ سب انسپکٹر جمیل بھی اس کے پیچھے تھا۔

دن کے دس بجنے والے تھے۔ جگر اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ کیبن کے پاس کھڑا محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سب اسلحے سے لیس تھے۔ ٹھیک دس بجے ایک گاڑی کیبن کے قریب رکی۔ اس میں پولیس کے افسران اترے۔ انہوں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے نوٹوں کے تھیلے سرخ کیبن میں ڈھیر کر دیئے۔ اس عرصے میں جگر اور اس کے ساتھی چھپے رہے۔ وہ ان لوگوں کے سامنے نہیں آنا چاہتے تھے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد جگر اور اس کے ساتھیوں نے نوٹوں کے تھیلے اٹھائے اور ہیڈکوارٹر پہنچ گئے۔ نوٹوں کے تھیلے حفاظت سے سٹور میں رکھ دیئے گئے۔ ہیڈکوارٹر میں اس وقت صرف پانچ آدمی موجود تھے باقی حفاظت کے خیال سے لیبارٹری کے اردگرد پھیلا دیئے گئے تھے۔ جگر ہیڈکوارٹر کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا۔ یہ کمرہ دفتر کے انداز میں سجا ہوا تھا۔ دستک کی آواز پر جگر نے دروازے کی طرف دیکھا ''باس آپریشن روم میں باس کی کال آئی ہے'' آنے والے نے کہا ''ٹھیک ہے تم چلو میں آتا ہوں'' جگر نے کہا اور پھر آنے والے کے پیچھے چلتا ہوا آپریشن روم پہنچ گیا۔ وہ تجسس بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ سامنے دیوار کے ساتھ ایک بڑی سی مشین پر لگے چند بلب جل بجھ رہے تھے اور مشین سے ٹوں ٹوں کی آواز ابھر رہی تھی۔ ''ہیلو جگر! چیف باس کالنگ یو'' جگر جلدی سے مشین کے پاس پہنچا اور مشین کو غور سے دیکھنے کے بعد چند بٹن آن کر دیئے۔ دیوار پر لگے ہوئے پردے پر ایک مکروہ صورت بوڑھے کی تصویر ابھر آئی۔ ''کیا بات ہے جگر تم کیوں نہیں اٹنڈ کر رہے'' ''یس سر!'' جگر جلدی سے بولا ''سر ہم کامیابی سے نوٹوں کے تھیلے لے آئے ہیں۔'' ''گڈ! لیکن تم نے انسپکٹر عادل کی طرف سے غفلت کیوں برتی'' ''سوری سر! ہم نے اپنی پوری کوشش کی تھی لیکن رات وہ بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا'' ''آئندہ ایسی کوتاہی نہ کرنا ورنہ......'' ''جی سر'' جگر سہم گیا۔ ''اب تم فوراً مال لے کر لیبارٹری آ جاؤ! اپنے ساتھ مارٹن کو بھی لیتے آنا اور ہاں انسپکٹر عادل کے ہاتھ سنہری بچھو لگ گیا ہے اگر وہ لیبارٹری تک پہنچ گیا تو سنہری بچھو کی بدولت اس کا آہنی گیٹ کھولنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ تم

فوراً آ ؤ اور لیبارٹری کے خفیہ آہنی گیٹ کے سسٹم میں تبدیلی کر دو تا کہ آئندہ وہ سنہری چیچ سے نہ کھولا جا سکے۔" "او کے چیف" میں ابھی مارٹن کو ساتھ لیکر آتا ہوں" "اوور اینڈ آل" چیف باس کی آواز آنی بند ہو گئی۔ جگر نے مشین بند کی اور آپریشن الارم کی دیگر مشینوں کا جائزہ لینے لگا۔ ایک مشین کے الفاظ کندہ تھے اور اس کا بٹن آن تھا۔ جگر کچھ سوچ کر باہر آ گیا۔ اس وقت لوتھر آپریشن روم کے دروازے کے قریب سے گزر رہا تھا۔ جگر اسے اندر لے گیا۔ جونہی لوتھر اندر آیا۔ جگر نے پستول کی نالی اس کی کنپٹی سے لگا دی۔ "چپ چاپ میرے سوالوں کے جواب دے دو ورنہ کنپٹی میں سوراخ ہو جائے گا۔" "جگر تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے" "بکواس بند کرو یہ الارم کا بٹن آف کر دو۔" یہ یہ تو لیبارٹری کا الارم ہے یہ بند ہو گیا تو لیبارٹری کا حفاظتی سسٹم آف ہو جائے گا" لوتھر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "یہی تو میں چاہتا ہوں" "کیا مطلب کون ہو تم" لوتھر نے دہشت زدہ آواز میں پوچھا "تم صرف وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں" جگر غراتے ہوئے بولا۔ الارم کا بٹن لوتھر نے آف کر دیا۔ جگر نے اس سے دیگر مشینوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ پھر اسے گولی ماردی اور ایک بڑی مشین کے پیچھے چھپا کر آپریشن روم کے دفتر کی طرف چل دیا۔

دفتر کے کمرے میں پہنچ کر اس نے مارٹن کو بلایا اور اس سے کہا کہ وہ باقی ساتھیوں کو بھی بلا لائے۔ جگر نے باقی ساتھیوں کو بھی لوتھر کی طرح ختم کر دیا۔ مرتے وقت ان کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے۔ مارٹن نے یعنی جگر کا ساتھ دیا تھا۔

جگر دراصل انسپکٹر عادل تھا اور مارٹن اس کا ساتھی سب انسپکٹر جمیل سب انسپکٹر جمیل کو یورپین لڑکی روزی دوبارہ نظر آئی تو اس نے تعاقب کر کے اس کا ٹھکانہ معلوم کر لیا۔ روزی کو زیر کرنے کے بعد اس نے جگر اور مارٹن کو بلوایا گیا۔ یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ جگر سے معلومات حاصل کر کے انسپکٹر عادل اور جمیل جگر اور مارٹن کے میک اپ میں ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے تھے۔

"جمیل اسلحہ خانہ سے جدید ترین اسلحہ اٹھا لاؤ میں سٹور روم سے نوٹوں کی گڈیاں لاتا ہوں" "او کے سر" "ہمیں فوراً یہاں سے لیبارٹری جانا ہے اس لئے جتنا اسلحہ ہم ساتھ لے سکتے ہیں لے لیں۔"

چند لمحوں بعد وہ نوٹوں کے تھیلوں اور جدید ترین اسلحہ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے لیبارٹری کی طرف اُڑے چلے جا رہے تھے۔

جنگل کے ایک نسبتاً ویران علاقے میں جیپ رک

گئی۔ انسپکٹر عادل چھلانگ مار کر جیپ سے اترا۔ "تم یہیں ٹھہرو میں لیبارٹری کے اندر جاتا ہوں میرے جانے کے آدھ گھنٹے بعد تم بھی آ جانا۔ انسپکٹر عادل نے ایک جگہ زمین پر پاؤں مارا تو زمین میں ایک خفیہ آہنی دروازہ نمودار ہو گیا۔ انسپکٹر عادل نے جیب سے سنہری بیج جس پر "S-L" لکھا ہوا تھا نکال کر دروازے کے سامنے لہرایا۔ دروازہ اپنے آپ ہی آپ کھل گیا۔ انسپکٹر عادل جو جگر کے میک اپ میں تھا لیبارٹری میں داخل ہو گیا لیکن اس سے پہلے وہ ضروری اسلحہ اپنے لباس میں چھپانا نہیں بھولا تھا۔ ایک طویل راہداری میں سے گزر کر وہ ایک گول کمرے میں پہنچ گیا جہاں سے تین مختلف راہداریاں گزرتی تھیں۔ انسپکٹر عادل دائیں ہاتھ کی راہداری میں چلنے لگا۔ آمنے سامنے بنے ہوئے کمرے خالی پڑے تھے۔ راہداری کے اختتام پر ایک بہت بڑا ہال نما کمرہ تھا۔ دروازے پر مسلح محافظ موجود تھے۔ کیونکہ وہ جگر کو جانتے تھے اس لئے انہوں نے اس کے اندر جانے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ ہال میں مختلف میزوں پر سائنسی سامان موجود تھا۔ ایک کونے میں عجیب و غریب ساخت کی مشینیں موجود تھیں۔ اصل میں یہ لیبارٹری کا ایک سیکشن تھا۔ جونہی انسپکٹر عادل اندر داخل ہوا دروازہ خودکار طریقے سے بند ہو گیا۔ "آؤ انسپکٹر عادل! خوش آمدید" ہال کی دیواروں سے غراتی ہوئی آواز آئی۔ انسپکٹر عادل چونک پڑا "تم کون ہو سامنے آ کر بات کرو" "فکر نہ کرو ابھی سامنا بھی ہو جائے گا" اسی آواز نے غرا کر کہا۔ اس کے ساتھ ہی ہال کے دوسرے دروازے سے پانچ مسلح محافظ اندر داخل ہوئے اور انسپکٹر عادل کو پکڑ لیا۔ وہ انسپکٹر کو لے کر ایک بہت بڑے اور روشن کمرے پہنچے۔ انسپکٹر عادل سمجھ گیا کہ یہی لیبارٹری کی اصل عمارت ہے۔ لیبارٹری میں سائنسی سامان کی بہتات تھی۔ عجیب و غریب ساخت کی مشینیں بہت تعداد میں تھیں۔ ایک سرے پر شیشے کے چند کیبن بنے ہوئے تھے۔ ایک مکروہ صورت بوڑھا ایک عجیب مشین کے قریب کھڑا تھا۔ اس مشین میں سے توپ کی نالی کی طرح ایک لمبی نالی نکل کر دیوار تک چلی گئی تھی۔ حلیے سے بوڑھا سائنس دان لگتا تھا۔ بوڑھے کے حکم پر انسپکٹر عادل کی تلاشی لی گئی اور پھر اسے ایک کیبن میں بند کر دیا۔ "انسپکٹر عادل میں ہوں وہ عظیم سائنس دان جو دنیا پر حکومت کے قابل ہے اور یہ میری وہ مشین ہے جس سے روشنی کی لہریں نکل کر تباہی مچاتی ہیں۔ بوڑھے نے اسی لمبے نالی والی مشین کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا عملی مظاہرہ دیکھو۔ بوڑھے نے مشین کے چند بٹن دبائے اسکرین پر شہر کا بارونق علاقہ نظر آیا۔ بوڑھے نے سرخ بٹن دبا دیا۔ دیکھتے دیکھتے ایک بڑی عمارت دھماکے سے اڑ گئی۔ بوڑھے نے ایک زور

دار قہقہہ لگایا۔ انسپکٹر عادل دانت پیس کر رہ گیا۔ اس نے کیبن کو کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ "انسپکٹر عادل تم نے میرے مشن میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی ہے میں تمہیں اس کی بھیانک سزا دوں گا۔ بوڑھے نے غضبناک ہو کر کہا۔ جاؤ اور باہر جیپ میں سے اس کے ساتھی کو بھی لے آؤ۔ اسلحہ اور نقلی نوٹ بھی اپنے قبضے میں کر لو جو یہ ہمیں دھوکہ دینے کو لایا ہے۔ چند منٹ بعد سب انسپکٹر جمیل بھی ساتھ والے کیبن میں بند تھا۔

چیف زیڈ اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ پورے ایک دن سے انسپکٹر عادل اور اس کے ساتھی سب انسپکٹر جمیل کی کوئی خبر نہ ملی تھی۔ انسپکٹر عادل نے چیف زیڈ سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ خود چیف زیڈ کئی بار رابطہ کرنے کے بعد ناکام ہو گیا تھا۔ جنگل سے بھاگ کر واپس آنے والے آدمیوں سے چیف زیڈ کو رات کی کارروائی کا علم ہو گیا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں انسپکٹر عادل اور اس کا ساتھی "کالی موت" کا نشانہ نہ بن گئے ہوں۔ چیف زیڈ نے اپنی فورس کے پچاس آدمیوں کو جنگل میں پھیلا دیا تھا۔ تاکہ وہ انسپکٹر عادل اور جمیل کو تلاش کریں۔ اچانک میز پر رکھے ٹرانسمیٹر پر کال موصول ہونے لگی۔ چیف زیڈ نے جھپٹ کر بٹن آن کیا۔ "ہیلو چیف زیڈ اوور" سر میں انسپکٹر عادل بول رہا ہوں اوور" دوسری طرف سے انسپکٹر عادل نے مختصراً روداد سنا ڈالی۔ "ٹھیک ہے میں فورس کے آدمی کو لیبارٹری کے محل و قوع سے آگاہ کرتا ہوں" "اوور اینڈ آل" چیف زیڈ نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ اس کے بعد اپنی فورس کے آدمیوں کو کال کرنے لگا۔

انسپکٹر عادل کو اچانک ہی اپنی کلائی پر بندھے واچ ٹرانسمیٹر کا خیال آ گیا اور اس نے چیف زیڈ کو کال کر لی۔

دو گھنٹے کے بعد کریہہ صورت بوڑھا دوبارہ نمودار ہوا۔ اس کے ساتھ دس محافظ تھے۔ بوڑھے کے حکم پر ان دونوں کو محافظوں کے نرغے میں لیبارٹری سے باہر لے جایا جانے لگا۔ مختلف راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ ایک ایسے بڑے ہال میں پہنچ گئے جو ایک سٹیڈیم کی طرز پر تعمیر کیا گیا تھا۔ ہال کے اندر چاروں طرف سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں درمیان کی خالی جگہ میں ایک اونچا جنگلا لگا ہوا تھا۔ انسپکٹر عادل اور اس کے ساتھی سب انسپکٹر جمیل کو جنگلے کے اندر دھکیل دیا گیا۔ بوڑھا سائنس دان ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گیا اس کے ساتھ آنے والے محافظ جنگلے کی دیواروں کے قریب کھڑے تھے۔ ان کی گنوں کا رخ انسپکٹر عادل اور اس کے ساتھی کی طرف تھا کہ وہ بھاگنے نہ پائیں۔

بوڑھے کی مکروہ آواز ہال میں سنائی دینے لگی "انسپکٹر

عادل! تم میرے جال میں پوری طرح پھنس گئے ہو اب تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ دنیا پر حکمرانی کا جو خواب میں نے دیکھا ہے اسے ضرور پورا کروں گا۔ اب تم اور تمہارا ساتھی عبرتناک موت کے لئے تیار ہو جاؤ" "کالی موت" ہا ہا...... ہاہا...... بوڑھے کا زوردار قہقہہ ہال میں گونج اٹھا۔

انسپکٹر عادل سمجھ گیا کہ اب بن مانس بنگلے میں چھوڑا جائے گا۔ اس کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ بنگلے کے اندر زمین کا حصہ شق ہوا اور اس میں سے دیو ہیکل بن مانس نمودار ہوا۔ وہ بڑے خونخوار انداز میں غرا رہا تھا۔ سب انسپکٹر جمیل خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ انسپکٹر عادل بھی گھبرا گیا لیکن اس نے اپنے ہواس بحال رکھے۔ کالی موت نے جمیل پر حملہ کر دیا۔ اس نے اسے بازوؤں میں دبوچ کر یوں اٹھا لیا جیسے کوئی کھلونا ہوتا ہے۔ جمیل بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ انسپکٹر عادل کو اور تو کچھ نہ سوجھا بھاگ کر ایک زبردست ٹکر بن مانس کے پیٹ میں مار دی۔ اس ٹکر سے بن مانس لڑکھڑا گیا اور جمیل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا خود انسپکٹر عادل کے سر سے خون بہنے لگا اسے ایسے لگا جیسے کسی دیوار میں ٹکر مار دی ہو۔ اب صورت حال یہ تھی کہ انسپکٹر عادل اور جمیل پورے بنگلے کے اندر بھاگتے پھر رہے تھے اور کالی موت انہیں پکڑنے کے لئے ان پر بار بار جھپٹ رہا تھا۔ اوپر بیٹھا ہوا بوڑھا اور اس کے ساتھی قہقہے لگا رہے تھے۔ اچانک انسپکٹر عادل رک گیا۔ اسے رکتے دیکھ کر کالی موت اس کی جانب بڑھا۔ انسپکٹر عادل نے جھکائی دے کر اس کی ٹانگ میں ٹانگ اڑا دی۔ بن مانس دھپ سے گرا۔ انسپکٹر عادل نے زبردست ضربیں اس کی پشت پر لگائیں لیکن کالی موت پر ذرا بھی اثر نہ ہوا وہ فوراً اٹھا اور انسپکٹر عادل کے ایک زوردار ہاتھ رسید کر دیا۔ انسپکٹر عادل لڑھکیاں کھاتا دور جا گرا۔ فوراً ہی سب انسپکٹر جمیل بن مانس کے مقابلے میں آ گیا۔ اب انسپکٹر عادل اور جمیل نے آگے پیچھے سے کالی موت پر لگاتار حملے شروع کر دیئے۔ انہوں نے جوڑ کراٹے کے تمام داؤ آزما ڈالے لیکن کالی موت کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ دونوں بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ مگر کالی موت کے ہاتھ نہ آتے تھے۔ "انسپکٹر عادل لو موت کیسی ہے۔" بوڑھے نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "ذلیل کتے! تو مجھے ہتھیار دے دے پھر دیکھ۔" "ارے دو انہیں ہتھیار دے دو" بوڑھے نے غضبناک لہجے میں کہا۔

ذرا ہی بنگلے کے اندر مشین گنیں اور راکٹ پسٹل پھینک دیئے گئے۔ انسپکٹر عادل نے فوراً مشین گن سے "کالی موت کی آنکھوں پر فائر کھول دیا۔ اس کی آنکھوں سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ وہ اندھا ہو چکا تھا۔ وہ وقتی طور پر اس کے حملے سے محفوظ ہو گئے تھے۔ انسپکٹر عادل نے لمحہ ضائع

کیے بغیر باہر کھڑے محافظوں کو بھون ڈالا۔ سب انسپکٹر جمیل نے راکٹ پسٹل سے فائر کیا۔ ہال نما اسٹیڈیم کا ایک بڑا حصہ دھماکے سے اڑ گیا۔ بوڑھا سائنس دان اور اس کے ساتھی گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

چند لمحوں میں ہال خالی ہو گیا۔ بوڑھا سائنس دان اور اس کے ساتھی غائب ہو چکے تھے۔ جنگلے کے اندر بن مانس کی لاش پڑی تھی۔ انسپکٹر عادل کو اچانک اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کا خیال آیا جسے تلاشی کے دوران ہاتھ پر رہنے دیا گیا تھا۔ یہ اصل میں واچ ٹرانسمیٹر تھا۔ اس نے فوراً چیف زیڈ کی فریکوئینسی سیٹ کی اور ساری صورت حال بتانے کے بعد مدد کی درخواست کی۔ چیف زیڈ کو کال کرنے کے بعد انسپکٹر عادل انسپکٹر جمیل کے ساتھ محتاط انداز میں بیرونی ہال دروازے تک پہنچے۔ اچانک سامنے کی راہداری سے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی۔ دونوں فوراً زمین پر گر گئے۔ جمیل نے اپنے ہاتھ میں پکڑے راکٹ پسٹل سے فائر کیا۔ حملہ آوروں کی چیخوں کے ساتھ ایک طرف کی دیوار بھی گر گئی۔ دونوں بھاگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ راستے میں جگہ جگہ لیبارٹری کے محافظوں سے ان کی جھڑپ ہوئی انہوں نے سب کو بھون ڈالا۔ انہیں تلاش تھی بوڑھے سائنس دان کی جو نجانے کہاں چھپ گیا تھا۔ تمام کمروں کی تلاش لینے کے بعد

جب وہ لیبارٹری میں پہنچے تو وہاں بوڑھا سائنس دان اسی عجیب مشین کے پاس کھڑا تھا۔ انسپکٹر عادل نے چاہا کہ بوڑھے کو گولیوں سے چھلنی کر دے۔ اس لمحے بوڑھا چیخا "خبردار! انسپکٹر عادل میرا ہاتھ مشین کے بٹن پر ہے اگر میں نے اسے دبا دیا تو تمہارا ملک دھماکے سے اڑ جائے گا۔" انسپکٹر عادل اور جمیل ساکت ہو گئے۔ "اپنے ہتھیار پھینک دو۔" "انہیں گرفتار کر کے باندھ دو" بوڑھے نے اپنے دائیں بائیں کھڑے دو محافظوں سے کہا۔ جونہی محافظ ان کی طرف بڑھے انسپکٹر جمیل نے ان دونوں پر حملہ کر دیا۔ جبکہ انسپکٹر عادل نے بوڑھے سائنس دان پر چھلانگ لگا دی۔ بوڑھا اس حملے کے لیے تیار نہ تھا لہٰذا دونوں ایک دوسرے سے الجھ کر گر پڑے۔ اچانک مشین گن کی تڑتڑاہٹ گونجی اور گولیاں اس عجیب مشین پر برسنے لگیں جس کے پاس بوڑھا چند لمحے پہلے کھڑا تھا۔ ایک دھماکے کے ساتھ مشین میں آگ لگ گئی اور وہ تباہ ہو گئی۔ یہ گولیاں محافظوں میں سے ایک نے جمیل کو ماری تھیں لیکن جمیل کے ہٹ جانے کی وجہ سے گولیاں مشین میں لگیں۔ جمیل نے حملہ آوروں کو مزید موقع نہ دیا اور دونوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ "انسپکٹر عادل! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تو نے میری اتنی قیمتی مشین برباد کر دی اور میرے بن مانس کو بھی مار دیا۔" بوڑھے نے جنونی انداز میں انسپکٹر عادل

کو اپنے اوپر سے دھکیلا اور فرش پر پڑی مشین گن کی طرف چھلانگ لگا دی۔ "خبردار! کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے اپنے ہتھیار پھینک دو" یہ زیڈ فورس کے آدمی تھے۔

بوڑھے سائنس دان نے مزاحمت کی کوشش کی مگر اسے قابو کر لیا گیا۔ زیڈ فورس نے لیبارٹری کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔ تلاشی کے دوران چند افراد اور گرفتار کیے گئے جو لیبارٹری کے تہہ خانہ میں کام کر رہے تھے۔

اگلے دن اخبارات سنسنی خیز خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ اخبارات نے بوڑھے سائنس دان "شائی لاک" کا تفصیلی بیان شائع کیا تھا جو اس نے زیڈ فورس کے ہیڈ کوارٹر میں دیا تھا۔ "شائی لاک" کے بھیانک منصوبہ کو شہ سرخیوں کے ساتھ بیان کیا گیا تھا۔ "کالی موت" کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ "شائی لاک" نے اس بن مانس پر تجربات کر کے اسے ناقابل تسخیر بنا دیا تھا لیکن انسپکٹر عادل نے اپنی ذہانت سے اسے مار گرایا۔ اخبارات انسپکٹر عادل اور سب انسپکٹر جمیل کی بہادری کے کارناموں سے بھرے پڑے تھے۔ انسپکٹر عادل مزے لے لے کر اخبار کی خبریں پڑھ رہا تھا اور سب انسپکٹر جمیل منہ بسورے بیٹھا تھا۔ ارے جمیل ایسے کیوں بیٹھے ہو' چیف زیڈ نے اچانک اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "سر! اتنے بڑے کارنامے پر بھی حکومت نے کوئی انعام تک نہیں دیا۔" جمیل نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "پگلے یہ انعام کیا کم ہے کہ تم نے اپنے ملک کو تباہ ہونے سے بچا لیا ہے آئی ایم رئیلی پراؤڈ آف یو" چیف نے کہا اور دونوں کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگیں۔

لطائف

استاد: شاگرد سے! ندیم تم کل کہاں تھے؟

ندیم: سر جی خواب میں مر گیا تھا۔

استاد: دوسرے شاگرد سے عمران تم کل کیوں نہیں آئے تھے۔

عمران! سر جی خواب میں اس کو دفنانے گیا تھا۔

☆☆☆

مہمان میزبان سے یہ جو بندہ چائے لا رہا ہے اس کا تعارف؟

میزبان! یہ میرا باورچی ہے۔ اس نے ایم اے کیا ہوا ہے۔

مہمان: (حیران ہوتے ہوئے) ایم اے! پوچھا یہ بتاؤ ایم اے اُردو، اسلامیات، تاریخ یا پھر ایم اے انگلش؟

میزبان! اوناں جی نا، ایم اے۔ کچن۔

☆☆☆

ڈاکٹر: مریض سے بتاؤ تمہیں کیا بیماری ہے؟

مریض: ڈاکٹر صاحب میری یادداشت بہت کمزور ہے کہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ میں اب آپ کے پاس کیوں آیا ہوں۔

لالچی وزیر

ناصر زیدی

بہت پرانے زمانے کی بات ہے کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کے دو ننھے منے بچے تھے۔ ایک خوبصورت سنہری بالوں والا شہزادہ جس کی عمر دس برس تھی اور دوسری سات سال کی پیاری پیاری شہزادی۔ ملکہ اور بادشاہ دونوں اپنے جگر کے ٹکڑوں پر بہت مہربان تھے۔ وہ ہر طرح ان کا خیال رکھتے، ہر بات، ہر فرمائش پوری کرتے۔ زندگی ہنسی

خوشی بسر ہو رہی تھی۔ کرنا خدا کا ہوا، ملکہ اچانک بیمار پڑ گئی۔ بہتیرے علاج کرائے مگر حالت کسی طرح سنبھل نہ سکی۔ آخر کار ایک دن وہ چل بسی۔ دونوں معصوم بچے اپنی والدہ کے بستر سے چمٹ کر رونے لگے۔ ان کے ننھے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور گالوں پر بے تحاشا آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔ ان ننھے منوں کو اس حال میں دیکھ کر بادشاہ نے

انہیں سینے سے لگا کر چپ کرایا اور تسلی دی۔

ملکہ کی موت کے غم میں بادشاہ بھی مسلسل بیمار رہنے لگا۔ ایک روز اس نے اپنے وزیر اور تمام درباریوں کو اکٹھا کیا اور وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد وزیر ان بچوں کا نگران ہوگا اور جب تک شہزادہ جوان نہ ہو وزیر ہی حکومت کا انتظام چلائے گا۔ یہ وصیت لکھوانے کے کچھ ہی دیر بعد بادشاہ فوت ہوگیا۔ وزیر نے بادشاہ کی وفات کے بعد سلطنت کا کاروبار سنبھال لیا اور شہزادے اور شہزادی کی بھی خوب اچھی طرح پرورش کرنے لگا۔ دو تین سال تو اسی طرح گزر گئے۔ شہزادہ سیر و شکار، تیر اندازی، گھڑ سواری اور بادشاہوں کے طور طریقوں سے اچھی طرح واقف ہوتا جا رہا تھا۔ مگر ادھر وزیر کی نیت میں فتور آ چکا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ بادشاہت شہزادے کو سونپ دے۔ چنانچہ اس نے ایک ترکیب سوچی اور ایک روز شہزادے کو شکار کے لیے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے اپنے اور شہزادے کے لیے بہت تیز رفتار گھوڑے لیے۔ یہ گھوڑے اس قدر تیز دوڑ رہے تھے کہ باقی مصاحب اور سپاہی پیچھے رہ گئے۔ چلتے چلتے یہ ایک گھنے جنگل میں پہنچے۔ جس میں ایک جھیل بھی تھی جھیل کے قریب پہنچ کر وزیر نے شہزادے کے گھوڑے کے چابک رسید کیا۔ گھوڑا تیزی سے دوڑتا ہوا جھیل میں جا گرا اور شہزادہ گھوڑے سے گر کر پانی میں ڈبکیاں کھاتا ہوا نظروں سے غائب ہوگیا۔ وزیر سمجھا کہ چلو شہزادے کا کام تو تمام ہوا وہ واپس آ گیا اور اپنے ساتھیوں سے افسوس کرتے ہوئے شہزادے کے ڈوبنے کا واقعہ سنایا۔

دراصل شہزادہ ڈوبا نہیں تھا بلکہ اسے ایک بڑے مگرمچھ نے نگل لیا تھا۔ مگرمچھ جب لوٹنے کے لیے جھیل سے باہر آیا تو وہاں ایک مچھیرے نے بڑی تیزی سے اس کا پیٹ چاک کر دیا اور شہزادہ زندہ و سلامت پیٹ سے نکل آیا۔ اب مچھیرا شہزادے کی پرورش کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ شہزادہ جوان ہوتا گیا۔ جب شہزادہ بھرپور جوان ہوگیا تو اس نے اپنے باپ مچھیرے سے کہا کہ مجھے اپنے ملک جانے دیں تاکہ میں بہن سے مل سکوں اور لالچی وزیر سے اپنی سلطنت واپس لے لوں۔ مچھیرے نے ایک گھوڑے کا بندوبست کیا اور اسے گھنے جنگل سے باہر تک چھوڑ آیا۔ شہزادہ بھٹکتا بھٹکتا کئی روز کی مسافت کے بعد ایک ایسے ملک میں پہنچا جہاں اس روز کسی شہزادے کی تاجپوشی کی رسم ادا ہو رہی تھی، یہی شہزادے کا وطن تھا۔ محل کے باہر شامیانے لگے ہوئے تھے، بینڈ باجے بج رہے تھے کہ شہزادہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے

دور ہی سے دیکھ کر پہچان لیا کہ تاج پہنانے والا شخص وزیر زادہ ہے۔ شہزادہ زور سے چلایا۔

"ٹھہرو! میں آگیا ہوں" سارے مجمع نے مڑکر دیکھا تو پھٹے پرانے کپڑوں میں سنہرے بالوں والا ایک خوبصورت نوجوان گھوڑے سے اترتا ہوا نظر آیا۔ وزیر بھی شہزادے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

شہزادے نے لوگوں کو اپنے ڈوبنے اور پھر زندہ بچنے کا سارا ماجرا سنایا۔ تو سب درباری مصاحب اور سپاہی جھک کر آداب بجالائے۔ اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ جنھوں نے فوراً وزیر کو گرفتار کرلیا مگر شہزادے کی بہن نے جو اس کی غیر موجودگی میں وزیر زادے سے بیاہی جاچکی تھی۔ وزیر کی سفارش کر کے اسے قید سے رہائی دلا دی۔ وزیر اپنے کیے پر سخت پشیمان ہوا اور پھر ایک وفادار ساتھی کی طرح شہزادے کی بادشاہت میں اپنے فرائض انجام دینے لگا۔

لطیفے

☆ بیٹا: ابو جان کوہ ہمالیہ کہاں ہے؟

باپ: (جو کہ مطالعہ میں مصروف تھا) بولا بیٹا! اپنی امی سے پوچھو وہ گھر کی چیزیں ادھر ادھر رکھتی ہیں۔

☆ ایک صاحب دوسرے دوست سے ملنے گئے تو وہ بڑے خوش نظر آرہے تھے انہوں نے پوچھا۔ کیوں بھئی آج بڑے خوش میں نظر آرہے ہو کیا بات ہے۔ اس نے بتایا کہ آج میری مرغی نے انڈا دیا ہے وہ بولا اس میں کون سا کمال ہے دوسرا دوست بولا کمال نہیں تو تم انڈہ دے کر دکھاؤ۔

☆ استاد: شاگرد سے کوئی مثال دو کہ سردیوں میں چیزیں سکڑتی ہیں اور گرمیوں میں پھیلتی ہیں۔

شاگرد: جناب گرمیوں میں چھٹیاں پھیل کر اڑھائی ماہ کی ہوتی ہیں اور سردیوں میں سکڑ کر پندرہ دن کی ہو جاتی ہیں۔

☆ ڈاکٹر: (مریض سے) کہیے آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

مریض: طبیعت تو ٹھیک ہے مگر پسینہ نہیں آتا۔

ڈاکٹر: فکر نہ کریں ابھی میرا بل دیکھ کر پسینہ آجائے گا۔

سنگِ مرمر کی پریاں

شکیل صادق
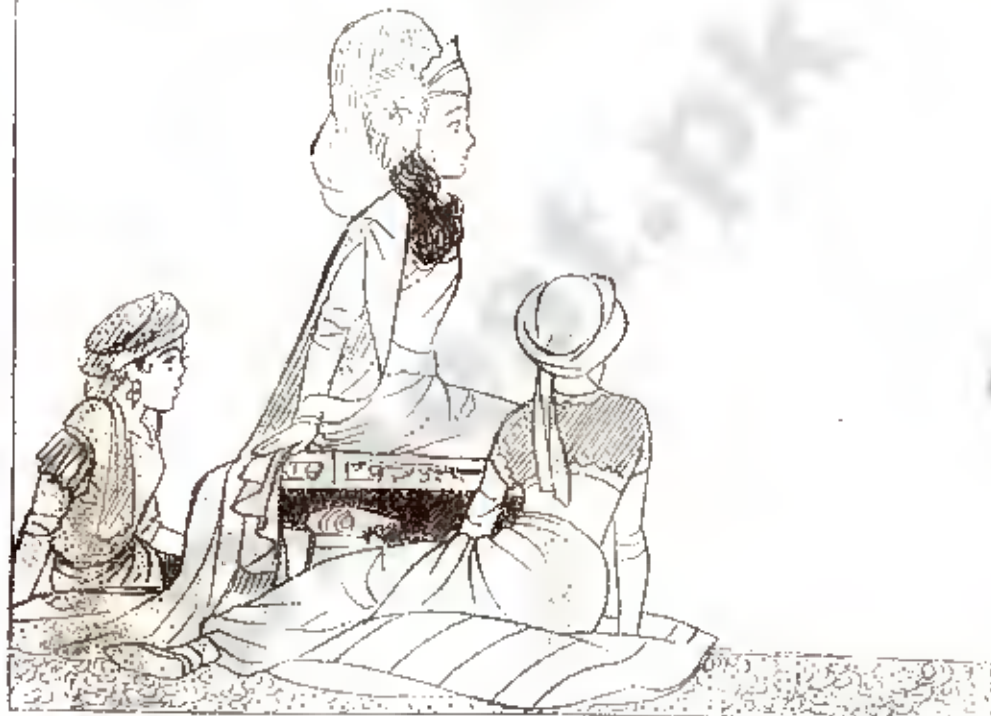
محل الحمرا کے ایک ویران حصے میں ایک مالی لوپ سانچس رہا کرتا تھا۔ وہ ہنس مکھ اور زندہ دل انسان تھا۔ محل الحمرا کی رونق اسی کے دم سے تھی۔ تمام دن وہ باغ میں کام کرتا اور شام کو ''باب العدل'' کے کنارے بیٹھ جاتا۔ مزے مزے کے گیت گاتا۔ اس کی آواز میں ایسا جادو تھا کہ لوگ اس کی آواز سن کر کھنچے چلے آتے تھے اور گھنٹوں اس کے

گیت سنا کرتے تھے۔
لوپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ گیارہ برس کی خوبصورت مونا سے بوڑھے لوپ کو بے حد محبت تھی۔ وہ اسے پل بھر کے لیے بھی اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ باپ کی طرح مونا بھی بڑی ہنس مکھ تھی۔ دن کے وقت جب لوپ باغ میں کام کرتا تو یہ اس کے پاس ہی کھیلتی رہتی اور جب وہ کام کرتے

کرتے تھک جاتا تو کسی گھنے پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھ کر ستار بجانے لگتا اور مونا خاموشی سے ناچنے لگتی۔ دن بھر یہ بلبل کی طرح چہچہاتی۔ الحمرا کے باغوں اور سنسان محل میں وحشی ہرنی کی طرح اچھلتی کودتی پھرتی۔

ایک دن عیسائیوں کا کوئی تہوار تھا۔ الحمرا کے سب لوگ ایک پہاڑی پر رات بھر جاگ کر جشن منا رہے تھے۔ چودہویں رات تھی اور آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا۔ چاندنی میں آس پاس کی تمام پہاڑیاں بڑی خوبصورت دکھائی دے رہی تھیں۔ دور سے شہر کے اونچے اونچے مینار اور گنبد بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ پہاڑی کی سب سے اونچی چوٹی پر آگ دہک رہی تھی۔ آس پاس کی پہاڑیوں پر بھی لوگوں نے جگہ جگہ آگ جلا رکھی تھی۔ چاندنی میں آگ کے شعلے بڑے بڑے پیارے معلوم دے رہے تھے۔ اس وقت لوپ ستار بجا رہا تھا اور الحمرا کی ننھی ننھی لڑکیاں ناچ رہی تھیں ہر طرف خوشی ہی خوشی تھی۔ آج لوپ اور مونا دونوں بہت خوش تھے۔

ادھر یہ راگ رنگ ہو رہا تھا اور مونا اپنی ہم عمر سہیلیوں کے ساتھ پہاڑی پر مسلمانوں کے پرانے قلعہ کے کھنڈروں میں چمکتے ہوئے پتھروں جمع کرنے میں مشغول تھی۔ کہتے ہیں مسلمانوں کے عہد میں قلعہ کی بڑی شان تھی مگر اب تو وہاں ٹوٹی پھوٹی دیواروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ ان کھنڈروں میں پتھر تلاش کرتے کرتے مونا کو سیاہ پتھر کا بنا ہوا ایک ننھا ہاتھ مل گیا۔ یہ ہاتھ عجیب طرز کا تھا۔ مونا کو گویا خزانہ مل گیا۔ وہ دوڑی دوڑی اپنی ماں کے پاس آئی اور اسے یہ ہاتھ دکھایا۔ تھوڑی ہی دیر میں سب لوگوں کو اس کی خبر ہو گئی اور مونا کی ماں کے گرد بے شمار عورتیں اور بچے جمع ہو گئے۔ ایک بڑھیا نے اسے دیکھ کر کہا۔ "بہن اسے پھینک دو، نہ معلوم کیا بلا ہے۔" دوسری نے کہا۔ "یہ مسلمانوں کا بنایا ہوا ہاتھ ہے ضرور اس میں کوئی راز ہو گا اسے پھینک ہی دینا چاہیے۔" ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک لمبا تڑنگا سپاہی برسوں افریقہ میں نوکری کر چکا تھا اس سیاہ ہاتھ کو دیکھ کر کہنے لگا۔ "میں نے مسلمانوں کے ملک میں اس قسم کے سینکڑوں ہاتھ دیکھے ہیں۔ یہ ہاتھ جادو سے محفوظ رہنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ پھر لوپ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "دوست لوپ تم خوش قسمت ہو کہ تمہاری بیٹی کی قسمت جاگ گئی۔"

لوپ کی بیوی نے اس سیاہ پتھر کے ہاتھ کو دھاگے سے باندھ کر بیٹی کے گلے میں ڈال دیا اور اسپین کے مسلمان

بادشاہوں کا ذکر چھیڑا تو سب لوگ تاج بھول کر دائرے کی صورت میں زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے بزرگوں سے سنے ہوئے قصے بیان کرنے لگے۔ یہ تمام قصے زیادہ تر اسی پہاڑی کے متعلق تھے جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ مشہور تھا کہ اس پہاڑی پر اسپین کے مسلمان بادشاہوں کی روحوں کا یہ سایہ ہے ایک بڑھیا نے اس پہاڑی کے نیچے ایک عالی شان محل ہے اور غرناطہ کا آخری بادشاہ ابوعبداللہ اور اس کے درباری جادو کے زور سے اس میں نظر بند کر دیئے گئے ہیں۔ بڑھیا نے قلعہ کے کھنڈروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ سامنے جو ٹوٹی پھوٹی دیواریں نظر آ رہی ہیں ان کے آس پاس ہی اندھیرا غار ہے جو بہت گہرا ہے۔

ایک دن ایک چرواہا اس پہاڑی پر اپنی بکریاں چرانے گیا ایک بکری کا پاؤں پھسلا تو وہ سیدھی غار میں جا پڑی۔ چرواہا غریب تھا یہ نقصان برداشت نہ کر سکا۔ ہمت سے کام لے کر غار میں اتر گیا۔ جب اس غار سے باہر نکلا تو ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگا کہ جو شخص اس کو دیکھتا یہی کہتا کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اس دن کے بعد آج تک اس چرواہے کا کہیں پتہ نہ لگا۔

ننھی سونا بڑے غور سے بڑھیا کی باتیں سن رہی تھی۔ بچپن ہی سے اس کا دل بہت مضبوط تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ ایک بار چل کر دیکھنا چاہیے کہ غار کے اندر کیا ہے۔ وہ چپکے سے ماں کے پاس سے اٹھی اور دبے پاؤں ان کھنڈروں کی طرف چل دی۔ بڑھیا نے اشارہ کیا تھا تھوڑی دیر ادھر ادھر تلاش کرنے کے بعد اسے ان کھنڈروں میں ایک غار نظر آیا۔ ہمت کر کے اس غار میں جھانک کر دیکھا۔ غار میں اتنا اندھیرا تھا کہ اس کی گہرائی کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ سونا ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے لمحہ بھر کے بعد پھر جھانک کر دیکھا اور ڈر کے پیچھے ہٹ گئی۔ غار کے باہر ہی ایک بڑا سا پتھر پڑا تھا۔ جوں توں کر کے اسے غار کے منہ کے پاس لائی اور غار میں لڑھکا دیا۔ کچھ دیر تک تو کوئی آواز پیدا نہ ہوئی۔ لیکن پھر اچانک اس زور کا دھماکا ہوا جیسے بادل گرجے ہوں۔ اس کے بعد ایسی آواز آئی جیسے کسی بھاری چیز کے پانی میں گرنے سے پیدا ہوتی ہے اور پھر پہلے جیسا سناٹا چھا گیا۔ لیکن یہ سناٹا زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے غار میں کوئی چیز پڑی سو رہی ہے وہ دھماکے سے جاگ اٹھی ہے۔ اب غار میں بے شمار آدمیوں کے آپس میں بات چیت کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں اور ساتھ ہی ہتھیاروں کی جھنکار، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور طبل

جنگ بجنے کی دبی دبی آوازیں شور مچتی جا رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پہاڑی کے نیچے کوئی بھاری فوج لڑائی کے میدان کی طرف کوچ کر رہی ہے۔ مونا یہ آوازیں سن کر سہم گئی۔ ننھا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئی۔ اس کے ماں باپ اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف جا چکے تھے۔ پہاڑی پر سناٹا تھا۔ مونا پہاڑی پر سے اتر کر باغوں میں سے ہوتی ہوئی آخر کار سڑک پر جا پہنچی جو سیدھی الحمرا کو جاتی تھی۔ اس سڑک کے دونوں طرف درختوں کی قطار تھی اور جگہ جگہ بنچیں رکھی ہوئی تھیں۔ مونا کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ ستانے کے لیے ایک بنچ پر بیٹھ گئی۔ اسے بنچ پر بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ الحمرا کے گھڑیال نے بارہ بجائے اور دور سے کوئی چیز چمکتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی فوج غار سے نکل کر اس کی طرف آ رہی ہے۔ فوجی نیزوں، ڈھالوں اور تلواروں سے مسلح تھے اور ان کے گھوڑے بڑے خوبصورت تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد یہ فوج مونا کے بالکل قریب آ گئی۔ اس فوج کے درمیان ایک خوب صورت عورت بہترین لباس پہنے گھوڑے پر سوار تھی اس کے سر پر ایک تاج چمک رہا تھا۔ لیکن یہ عورت بہت غمگین اور اداس نظر آ رہی تھی۔ جب یہ فوج گزر گئی تو اس کے بعد ایک اور فوج آئی۔ یہ فوج درباری لباس پہنے ہوئے تھی اور ان کے درمیان بادشاہ جواہرات کا تاج پہنے تھا۔ ننھی مونا نے اسپین کے تصویر خانے میں اس بادشاہ کی تصویر کئی بار دیکھی تھی۔ اس کی زرد داڑھی دیکھتے ہی پہچان گئی کہ اسپین کا آخری مسلمان بادشاہ ابو عبداللہ ہے۔

مونا بڑے تعجب سے اس شاہی جلوس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ زرد چہرے والے زندہ انسان نہیں بلکہ جادو کے ہیں شاہی جلوس الحمرا کے دروازے "باب العدل" کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بھی ان کے پیچھے دبے پاؤں چلی۔ جب وہ دروازے کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ زمین میں رستہ بنا ہوا ہے جو نیچے ہی نیچے چلا جاتا ہے۔ مونا الحمرا کے کونے کونے سے واقف تھی۔ لیکن یہ راستہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت حیران ہوئی۔ وہ اس راستہ کے ذریعہ ایک شاندار محل میں پہنچی۔ یہ محل اسپین کے مسلمان بادشاہوں کی طرز کا بنا تھا۔ ایوان میں ایک تخت پر ایک بوڑھا عربی لباس پہنے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک عجیب قسم کا عصا تھا۔ اس بوڑھے کے قریب ہی ایک حسین عورت قدیم

ہسپانوی لباس پہنے زنجیروں میں جکڑی بیٹھی۔ رباب کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی جس میں سے میٹھے میٹھے سر نکل رہے تھے۔ یہ دیکھ کر سونا کو ایک کہانی یاد آ گئی جو اس نے اپنے بزرگوں سے سنی تھی کہ جس پہاڑی پر قصر الحمرا بنا ہوا ہے۔ اس کے نیچے پہاڑی کے اندر ایک عرب نجومی کا عالی شان محل ہے۔ نجومی نے اپنے محل میں ایک شہزادی کو قید کر رکھا ہے لیکن اس شہزادی کو قید کر رکھا ہے لیکن اس شہزادی کے پاس جادو کا ایک ایسا ساز ہے کہ اسے بجاتی ہے تو نجومی پر نیند طاری ہو جاتی ہے۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کی قید میں ہیں۔ جب شہزادی نے سونا کو جادو کے محل میں دیکھا تو اسے بیحد تعجب ہوا۔ وہ ساز بجاتی بجاتی رک گئی اور سونا سے پوچھا۔ ''اے لڑکی کیا آج عیسائیوں کا تہوار ہے۔'' سونا نے جواب دیا: ''جی ہاں'' یہ سن کر شہزادی نے اطمینان سے سانس لیا اور کہا کہ پھر تو آج کی رات اس نجومی کا جادو مجھ پر اثر نہیں کرے گا اے لڑکی اس سیاہ ہاتھ کو جو تیرے گلے میں پڑا ہوا ہے میری زنجیروں سے لگا دے تاکہ میں آج رات کے لیے آزاد ہو جاؤں۔ سونا نے دیکھا کہ شہزادی کی کمر میں سونے کی ایک زنجیر ہے جو فرش پر بڑی مضبوطی سے گڑی ہوئی ہے۔ اس نے جلدی سے اپنے طلسمی ہاتھ کو اس زنجیر سے چھو دیا اسی وقت زنجیر ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ زنجیر کی آواز سن کر بوڑھا نجومی چونک پڑا اور تعجب سے شہزادی کی طرف دیکھنے لگا۔ شہزادی نے جلدی سے اپنا رباب اٹھایا اور بجانا شروع کر دیا۔ بوڑھے پر پھر غنودگی طاری ہونے لگی اور اس کا سر پھر جھک گیا۔ شہزادی نے کہا اے لڑکی اب تو بلا خوف میرے پیچھے پیچھے چلی آ۔ تیرے پاس ایسا جادو کا ہاتھ ہے۔ جس کی وجہ سے تجھ پر جادو اثر نہ کر سکے گا۔ سونا شہزادی کے پیچھے چلنے لگی۔ چلتے چلتے شہزادی ایک محل کے دروازے کے پاس پہنچ کر رک گئی جو ایک بڑے برج کے نیچے جاتا تھا اس دروازے کے دونوں طرف دو سنگ مرمر کی پریاں ایک عجیب انداز سے دیوار پر نظریں جمائے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی نظریں محراب کے نیچے دیوار پر ایک خاص جگہ جمی ہوئی تھیں۔ شہزادی نے سونا سے کہا۔

''اے بچی یہ ایک راز ہے جو میرے اور ان پریوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ خیر میں تجھے بتائے دیتی ہوں۔ یہ پریاں اصل میں ایک بہت بڑے خزانے کی نگرانی کر رہی ہیں۔ جو غرناطہ کے ایک بادشاہ نے کسی زمانے میں یہاں چھپا دیا تھا اور یہ خزانہ صرف تیرے ہی لیے ہے۔ اپنے باپ سے جا کر کہہ دے کہ جس جگہ ان دونوں پریوں کی نظریں جمی ہوئی ہیں

اقوال زریں

☆ تمہیں اس دن کو رونا چاہیے جو نیکی کے بغیر گزار دیا۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)

☆ خدا تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے جو کسی کے عیب ظاہر نہیں کرتا۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)

☆ والدین کی اطاعت و فرمانبرداری سعادت کی نشانی ہے۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

☆ نیک بخت وہ ہے کہ نیکی کرے اور ڈرے اور بد بخت وہ ہے کہ بدی کرے اور مقبولیت کی امید رکھے۔ (بایزید بسطامی)

☆ استاد کی عزت کرو، یہ وہ ہستی ہے جو تمہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی کی راہ دکھاتی ہے۔ (ڈاکٹر عبدالحق)

☆ چیلنج اس لیے کرو کہ تم میں عزم پیدا ہو اس لیے نہ کرو کہ تم میں غرور پیدا ہو۔ (مولانا محمد علی جوہر)

اس جگہ کو کھودے۔ وہاں سے اتنا بڑا خزانہ ملے گا کہ تیرا باپ غرناطہ کا سب سے بڑا امیر ہو جائے گا۔ جب تیرے باپ کو یہ خزانہ مل جائے تو اس سے کہنا کہ وہ اسے سنبھال کر رکھے اور احتیاط سے خرچ کرے۔ کچھ حصہ ہر روز میرے نام پر خیرات کرے تا کہ مجھے اس ظالم جادوگر سے نجات ملے۔ اچھا اب میرا وقت ختم ہو رہا ہے۔ مجھے محل میں پہنچنا ضروری ہے۔ ننھی میری رہائی کے لیے خیرات ضرور کرنا۔ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے مجھے چھٹکارہ مل سکتا ہے۔ یہ کہہ کر شہزادی ایک تاریک راستے پر چل دی اور تھوڑی دور جا کر نظروں سے غائب ہو گئی۔ سونا خوشی خوشی گھر لوٹ آئی اور تمام قصہ اپنے باپ سے کہہ سنایا۔ پہلے تو لوپ نے اسے جھوٹا سمجھا مگر جب سونا نے اسے مجبور کیا تو اسے یقین ہو چلا تھا کہ طلسمی ہاتھ کی وجہ سے ممکن ہے یہ راز سونا نے پالیا ہو۔ صبح کی روشنی میں لوپ نے تمام خزانہ شہزادی کے بتائے ہوئے طریقے پر نکال لیا۔ دولت سے لوپ کے دل میں ذرا بھی بے ایمانی نہ آئی۔ وہ روزانہ شہزادی کے نام سے خیرات کرتا رہا اور اس کے چھٹکارے کی دعائیں مانگتا رہا۔

ننھی سونا کی وجہ سے لوپ اور اس کی بیوی غرناطہ کے سب سے زیادہ امیر ہو گئے۔

لوپ نے طلسمی سیاہ ہاتھ کی حفاظت کے لیے سونے کی زنجیر میں جکڑ کر سونا کے گلے میں ڈال دیا تا کہ وہ ہمیشہ سونا کا محافظ بنا رہے۔

رحم دل شہزادہ

تحریر: ضیاء ساجد

پیارے بچو! ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دور دراز کے ملک میں ایک نہایت شریر مگر رحمدل شہزادہ رہتا تھا۔ شہریار نامی یہ شہزادہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ ایک روز شہزادہ اپنے محل کی بالکونی میں بیٹھا تیر کمان سے پرندوں کا شکار کر رہا تھا۔ اچانک اسے وہاں سے ایک بڑھیا گزرتی نظر آئی۔ بڑھیا نے اپنے ہاتھ میں لکڑی کی ایک بالٹی اٹھا

رکھی تھی اور اس میں پانی بھرا تھا۔ شہزادے کو شرارت سوجھی اور اس نے ایک تیر کا نشانہ بالٹی پر دے مارا۔ تیر سے بالٹی میں سوراخ ہو گیا، جس کی وجہ سے پانی بہہ نکلا۔ بیچاری بڑھیا نے یہ دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ شہزادے کو یکایک بڑھیا پر رحم آ گیا۔ اور اس نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ وہ بڑھیا کی بالٹی مرمت کریں اور اس میں پانی بھی بھر دیں۔ یہی نہیں بلکہ اس نے شاہی بگھی نکلوائی اور خود بڑھیا کو اس کے گھر چھوڑنے گیا۔ بڑھیا شہزادے کے حسن سلوک سے بے حد متاثر ہوئی اور شہزادے کو دعا دیتے ہوئے کہنے لگی کہ تجھے خدا ماہ رخ پری جیسی حسین بیوی عطا کرے۔

ماہ رخ پری کا نام سنتے ہی شہزادے نے اس کے بارے میں استفسار شروع کر دیا۔ شہزادے کے اشتیاق کو دیکھتے ہوئے بڑھیا نے اسے بتایا کہ یہاں سے کوسوں دور ملک یمن کے قریب سنگترے کے درختوں کا ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ اس جنگل میں ایک درخت بقیہ سب درختوں سے بڑا نظر آتا ہے اور اس پر لگے ہوئے سنگتروں میں انڈے کے برابر ایک چھوٹا سنگترہ بھی ہے۔ جس میں سے سنہری شعاعیں نکلتی ہیں۔ ماہ رخ پری اس سنگترے میں بند ہے مگر اس سنگترے کو لانا نہایت جان جوکھوں کا کام ہے۔

بڑھیا کی بات سنتے ہی شہزادہ اس قدر بے چین ہوا کہ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ہر صورت میں ماہ رخ پری کو حاصل کرے گا۔ چنانچہ اپنے محل میں پہنچتے ہی اس نے اپنے سب سے زیادہ سبک رفتار گھوڑے کو تیار کیا۔ کچھ سامان لیا اور چپکے سے محل سے نکل گیا۔

شہزادے کو جب سفر کرتے پورے دس روز اور دس راتیں بیت گئیں۔ راستے میں اسے کئی کٹھن مقامات سے گزرنا پڑا۔ آخر گیارہویں روز اسے شمال کی جانب ایک سنگترے کے درختوں کا بہت بڑا جنگل نظر آیا۔ شہزادہ جنگل میں سفر کرتا رہا۔ سفر کے دوران جب اسے باغ میں ایک سب سے بڑا اور پروقار درخت نظر آیا، تو اس نے سوچا کہ ہو نہ ہو۔ یہی وہ درخت ہے، جس کے متعلق اسے بڑھیا نے بتایا تھا۔ اب شہزادے نے اپنے گھوڑے کو ایک قریبی درخت کے ساتھ باندھا اور خود بڑے درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اچانک اسے سنگتروں کے درمیان ایک چمکتی ہوئی چیز دکھائی دی۔ جب وہ اس شاخ کے قریب پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ یہ وہی سنگترہ ہے۔ جس کی اسے تلاش ہے کیونکہ یہ دوسرے سنگتروں کی نسبت چھوٹا تھا اور اس میں سے سنہرے رنگ کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ شہزادے کا

دل چاہا کہ وہ اسے کھول کر دیکھے، مگر بڑھیا نے ہدایت کی تھی کہ اگر اس نے ایسا کیا تو پری اس میں نکل کر اڑ جائے گی۔ لہٰذا اس نے سنگترہ اپنی جیب میں ڈالا اور درخت سے اتر کر واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

ادھر شاہی محل میں بادشاہ اور ملکہ کے علاوہ ہر کوئی شہزادے کی گمشدگی پر پریشان تھا اور انہوں نے ہر جگہ شہزادے کو ڈھونڈنے کی منادی کرا رکھی تھی۔ جب کئی روز بعد شہزادہ واپس آیا اور ان کی جان میں جان آئی۔ شہزادے نے محل میں پہنچتے ہی بادشاہ اور ملکہ کو سارا ماجرا سنایا اور انہیں سنگترے کے متعلق بتایا۔ جب سنگترے کو کھولا گیا تو اس میں سے ایک سنہری روشنی برآمد ہوئی۔ اور ساتھ ہی ایک خوب صورت پری بھی نمودار ہو گئی۔ سب لوگ اتنی حسین پری کو دیکھ کر نہایت مسرور ہوئے اور چند روز کے اندر ہی دونوں کی شادی کر دی گئی۔

اتفاق سے اس ملک میں ایک جادوگرنی بھی رہا کرتی تھی۔ جو ماہ رخ سے بہت جلتی تھی۔ دراصل وہ خود شہزادے شہریار سے شادی کی خواہش مند تھی مگر اپنی خواہش پوری نہ کر سکی تھی۔ چنانچہ جادوگرنی نے فیصلہ کیا کہ وہ شہزادے کو ہر صورت میں حاصل کر کے رہے گی۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنا روپ بدلا اور ماہ رخ پری کی شکل اختیار کر لی۔ اب وہ اس موقعے کی تلاش میں رہنے لگی کہ کب ماہ رخ اس کے ہاتھ لگے اور وہ اسے ہمیشہ کی نیند سلا کر خود شہزادی بن جائے۔

ایک روز شہریار اور ماہ رخ محل کے پچھواڑے میں واقع ایک جھیل کے کنارے سیر کر رہے تھے۔ جب وہ ستانے کے لیے بیٹھے تو اچانک شہزادے کو نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر جادوگرنی، جو کہ ہر وقت دونوں کی تاک میں رہتی تھی، ماہ رخ کے پاس پہنچی اور اسے اپنے پاس بلا کر کہنے لگی کہ ہم دونوں کی شکلوں میں کس قدر مشابہت ہے۔ آؤ جھیل کے پانی میں اپنا عکس دیکھیں کہ دونوں میں سے زیادہ خوبصورت کون ہے۔ ماہ رخ چونکہ سیدھی سادی تھی، چنانچہ جادوگرنی کی باتوں میں آ گئی اور اس کے ساتھ چل پڑی۔

جھیل کے کنارے پر جب پانی میں انہوں نے اپنا عکس دیکھا تو ماہ رخ جادوگرنی سے زیادہ خوب صورت نظر آئی۔ اب جادوگرنی نے کہا کہ اگر میں تمہارے کپڑے اور زیورات اور تم میرے کپڑے پہن لو میں تم سے زیادہ خوبصورت نظر آؤں گی۔ ماہ رخ مان گئی اور اسے اپنے

کپڑے اور زیورات اتار کر دے دیئے۔ اور خود اس کے کپڑے پہن لیے۔ اب جب دونوں اپنا عکس دیکھنے کے لیے جھیل کے کنارے پر کھڑی ہوئیں تو جادوگرنی نے ماہ رخ کو جھیل میں زور سے دھکا دیا۔ شہزادی پانی میں گر کر ڈوب گئی اور جادوگرنی شہزادے کے ساتھ ماہ رخ بن کر رہنے لگی۔

ادھر شہزادے کو اپنی بیوی میں اجنبی پن دکھائی دینے لگا اور وہ اس سے کھچا کھچا رہنے لگا۔ شہزادے کو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر اس کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی ہے۔ ایک روز شاہی اصطبل کے سائیس نے اسے بتایا کہ اس نے محل کے پیچھے واقع جھیل میں ایک نہایت خوب صورت کنول کا پھول دیکھا ہے، جو سنہری رنگ کا ہے۔ شہزادے کو پھول کے بارے میں تجسس ہوا اور اگلے ہی روز وہ اسے دیکھنے نکل کھڑا ہوا۔ شہزادے کو پھول میں بڑی کشش محسوس ہوئی۔ اور اس نے وہ پھول توڑ کر اپنے کمرے میں لگا لیا۔ پھول سے شہزادے کو اس قدر انسیت ہو گئی کہ وہ ہر دم اس کے پاس بیٹھا رہتا۔ ایک دن جادوگرنی کو جب پھول کی خبر ہوئی تو اس نے سوچا کہ ہو نہ ہو یہ ماہ رخ پری ہی ہے، جو پھول کا روپ دھار کر یہاں آ گئی ہے۔

چنانچہ ایک روز جب شہزادہ شکار کی غرض سے گیا ہوا تھا تو اس نے پھول کو گلدان سے نکالا اور محل سے دور آگ جلا کر اس میں پھول کو پھینک دیا۔ پھول جب جل کر راکھ ہو گیا تو وہ مطمئن ہو کر محل واپس آ گئی۔ جب کچھ روز بعد اس کا اسی جگہ سے گزر ہوا تو کیا دیکھتی ہے کہ وہاں پر اخروٹ کا ایک بہت بڑا درخت لگا ہوا ہے اور اس پر بڑے بڑے اخروٹ لگے ہوئے ہیں۔ جادوگرنی سمجھ گئی کہ ماہ رخ نے ایک نیا بھیس بدل لیا ہے۔

چنانچہ محل پہنچ کر اس نے شہزادے کو درخت کے بارے میں بتایا اور کہا کہ کیوں نہ یہ اخروٹ رعایا میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ شہزادہ مان گیا اور درخت سے سارے اخروٹ اتار کر رعایا میں تقسیم کر دیئے گئے اور درخت کو کاٹ کر جلا دیا گیا۔ محل سے چند کوس کے فاصلے پر ہی ایک بڑھیا اور اس کا بیٹا رہتے تھے۔ بڑھیا کا بیٹا چرواہا تھا۔ اور جس روز رعایا میں اخروٹ تقسیم کیے جا رہے تھے اس روز وہ بکریاں چرانے گیا ہوا تھا۔ جب چرواہا اپنے حصے کا اخروٹ لینے کے لیے محل پہنچا تو سب اخروٹ تقسیم ہو چکے تھے اور چرواہے کو مایوس لوٹنا پڑا۔ چرواہے نے سوچا کہ

اخروٹ نہ ملنے پر اس کی غریب ماں تو بہت مایوس ہوگی۔ چنانچہ گھر جاتے ہوئے وہ اخروٹ کے درخت کے قریب رک گیا اس نے سوچا کہ شاید اسے کوئی گرا پڑا اخروٹ ہی مل جائے۔

اچانک پتھر کی اوٹ میں اسے ایک ہرا ابھرا اخروٹ نظر آیا اور وہ اسے گھر لے آیا۔ گھر لا کر اس نے اخروٹ ماں کو دے دیا۔ مگر بڑھیا نے اخروٹ اس غرض سے نہ کھایا کہ یہ اس کا بیٹا کھا لے گا۔ اگلے روز جب بڑھیا اور چرواہا اپنے اپنے کام پر روانہ ہوگئے۔ واپسی پر بڑھیا نے دیکھا کہ اس کے گھر کا نہ صرف تمام کام مکمل تھا۔ بلکہ کھانا بھی پکا ہوا تھا۔ اس نے جب اپنے بیٹے کو یہ ماجرا سنایا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ جب کئی روز تک ایسا ہوتا رہا تو ماں بیٹے نے اس راز کا سراغ لگانے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ اگلے روز کام پر جانے کی بجائے دونوں کھڑکی کے پاس چھپ گئے۔ یکایک انہوں نے دیکھا کہ الماری کے قریب رکھا ہوا اخروف کھلا، جس میں سے ایک نہایت حسین دوشیزہ برآمد ہوئی۔ اور اس نے گھر کا کام کاج اور کھانا وغیرہ پکانا شروع کر دیا۔ اپنا کام ختم کر کے جب وہ واپس اخروٹ میں جانے لگی تو بڑھیا سے رہا نہ گیا اور اس نے لڑکی کو جا لیا اور وہ پوچھنے لگی کہ وہ کون ہے۔ ماہ رخ نے اسے تمام قصہ کہہ سنایا۔ دونوں ماں بیٹا کو شہزادی سے بے حد ہمدردی ہوگئی مگر وہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ بڑھیا نے شہزادی کو اپنی بیٹی بنا لیا اور اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ شہزادی نے ماں بیٹی کی محبت کا بدلہ چکانے کے لیے جادو کے اثر سے اسی جگہ ان کے لیے ایک بہت بڑا محل تعمیر کروا دیا۔

ادھر شہزادے کے ایک ملازم نے جب اسے اس پراسرار محل کے بارے میں بتایا تو شہزادہ اسے دیکھنے کے لیے وہاں چلا آیا۔ شہزادے نے ملازم کو محل سے باہر کھڑا کیا اور خود اندر جا کر جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ محل کے ہال میں پہنچا تو وہ تخت پر براجمان ایک نہایت حسین اور جانی پہچانی شکل نظر آئی۔ قریب جا کر جب اس نے دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ تخت پر پری بیٹھی ہے۔ شہزادے کو اصل بات کا علم ہوا تو اس نے جادوگرنی کو زندہ جلا دیا اور شہزادی کو اپنے ساتھ محل میں لے آیا اور دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

بڑھاپا

شاعر: ظفر محمود انجم

بچو آ گیا ہے بڑھاپا
بن گیا ہوں بوڑھا بابا

کچھ عرصہ پہلے تھی جوانی جیسے بہار کی رُت مستانی
اب لاٹھی میرا ہے سہارا لاٹھی کے بن نہیں ہے چارا

ہر جانب ہے خواب سا طاری
قدم قدم پہ دُکھ بھاری

بات کرنے سے ہوں میں ڈرتا بڑھاپا ہے آڑے آتا
بابا کہہ کر لوگ پکاریں سُن کر کانپتی ہیں دیواریں

چلنے پھرنے سے ہوں مجبور
کمزوری سے ہوں بالکل چور

بچے میرے سارے اچھے دوائی کا خیال ہیں کرتے
بچپن جوانی بن گئے خواب دُکھ سہنے کی نہیں ہے تاب

حال اور ماضی کا یہ پرچم
اٹھائے پھرتا ہوں میں انجم

پُراسرار کنواں

تحریر: نوراکینہ قاضی

پیارے بچو! صدیاں گزریں۔ ایک چھوٹے سے گاؤں نسیم آباد میں ایک لڑکا عامر نامی رہا کرتا تھا۔ اس کے ماں باپ فوت ہو چکے تھے اور رشتہ دار بھی نہ تھے۔ اس لیے وہ دنیا میں بالکل تنہا تھا۔ اس کے ماں باپ جب زندہ تھے۔ تو وہ گاؤں کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہا کرتے تھے۔ اس کا باپ گاؤں کے زمین دار کا ایک ادنیٰ سا ملازم تھا اور اس کی

حویلی میں کام کرتا تھا۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ اس کی زمینیں ہوں۔ اچھا سا مکان ہو۔ اس کا خاندان خوشحالی کی زندگی بسر کرے۔ وہ اچھا کھانے پینے لگیں۔ مگر اس جیسے غریب آدمی کے لیے اپنا یہ خواب پورا کرنا مشکل تھا۔ زمین دار سے اسے جو تنخواہ ملتی تھی اس سے بمشکل ہی اس کے گھریلو اخراجات پورے ہوتے تھے۔

پھر کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ایک دن عامر کا باپ زمین دار کے کسی کام سے ایک دوسرے گاؤں گیا۔ جہاں سے واپس آتے ہوئے ایک دریا کا پل پار کرتے ہوئے اس کا گھوڑا بدک گیا اور وہ اس پر سے اچھل کر دریا میں جا گرا۔ دریا میں اس وقت طغیانی آئی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کی تیز و تند موجیں "آناً فاناً" اسے اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں۔ بعد میں اس کی لاش

بہت دور دریا کے کنارے جھاڑیوں میں اٹکی ہوئی ملی۔ اب عامر اور اس کی ماں دنیا میں تنہا رہ گئے۔ اس کی ماں ایک بلند حوصلہ عورت تھی۔ اس نے اپنی اور اپنے بیٹے کی گزر بسر کے لئے ادھر ادھر محنت مزدوری شروع کر دی۔ یوں آہستہ آہستہ ان کی زندگی کی گاڑی چلنے لگی۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ عامر کی ماں سردی کے موسم میں بھیگنے کے سبب بیمار پڑ گئی اور چند دن بعد فوت ہو گئی۔ یوں ماں کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد عامر دنیا میں بالکل اکیلا رہ گیا۔ اسے بے سہارا اور لاوارث دیکھ کر گاؤں والوں نے اس کے گھر کی تمام چیزیں لوٹ لیں اور زمین دار نے اس کا گھر چھین لیا یوں بے چارہ یتیم بچہ بالکل خالی ہاتھ اور بے ٹھکانہ ہو گیا۔

کم عمری کے باوجود عامر بہت خوددار اور غیرت مند تھا۔ اس لئے اس نے کبھی کسی سے کھانے کی اور کپڑوں کی بھیک نہ مانگی۔ بلکہ وہ جنگل میں جا کر اپنے لئے پھل وغیرہ تلاش کر لیا کرتا تھا۔ یا پھر دریا کے کنارے جا کر اپنے کھانے کے لئے کچھ مچھلیاں وغیرہ پکڑ لیتا تھا اور رات کو وہ کسی اصطبل یا بھوسے کے گودام میں جا کر سو رہتا تھا۔ گاؤں کے لوگ اگر اس سے کوئی کام وغیرہ لیتے تھے۔ تو وعدہ کے باوجود اسے مزدوری بھی نہ دیتے تھے۔ بلکہ اسے ایک آدھ روٹی یا کوئی پھٹا پرانا کپڑا دے کر دھتکار دیتے تھے۔ اس پر اسے بے حد رنج اور دکھ محسوس ہوتا۔ زمین دار کے اور گاؤں والوں کے ظلم پر وہ ہر دم جلتا کڑھتا رہتا تھا۔ جنہوں نے ماں باپ کے مرتے ہی اس سے اس کا گھر اور سب کچھ چھین لیا تھا اور اسے یوں دنیا کی ٹھوکریں کھانے چھوڑ دیا تھا۔

کچھ عرصہ اپنے گاؤں میں گزارنے کے بعد عامر نے سوچا کہ اسے اس گاؤں کو خیرآباد کہہ دینا چاہیے اور کسی ایسی جگہ چلے جانا چاہیے جہاں اسے عزت کی زندگی مل سکے۔ چنانچہ ایک دن صبح سویرے وہ اپنے گاؤں سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ اپنے گاؤں کے علاوہ دور کسی گاؤں یا قصبے سے واقف نہ تھا۔ اس لئے اسے اپنی منزل کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ اس نے صرف یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ شمالی جانب سفر کرے گا۔ گاؤں کے شمالی جانب ایک بے حد گھنا اور وسیع و عریض جنگل واقع تھا۔ اس کے بعد اونچے اونچے پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا ان پہاڑوں کے دوسری طرف کیا تھا؟ اس بارے میں کوئی بھی کچھ نہ جانتا تھا۔ بلکہ ان پہاڑوں کی طرف لوگ جاتے ہی نہ تھا۔

اپنے گاؤں سے نکل کر عامر جنگل میں داخل ہو گیا۔ اسے گھنے جنگل میں سفر کرتے کرتے دوپہر ہو گئی۔ اسے بھوک اور پیاس نے تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے درختوں سے

توڑ کر کچھ پھل وغیرہ کھائے۔ ستانے کے بعد آگے چل پڑا۔ جنگل ختم ہونے کے بعد وسیع و عریض سبزہ زاروں کا سلسلہ آتا تھا۔ جب وہ ان سبزہ زاروں کو عبور کر کے پہاڑوں کے دامن میں پہنچا تو شام ہونے کو آ رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ ایک پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ جب وہ اس کی چوٹی پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف اترنا بڑا مشکل کام تھا۔ کیونکہ اس کے سامنے کئی پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ ان پہاڑوں کو عبور کئے بغیر وہ دوسری طرف نہ جا سکتا تھا۔ اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اُسے ان کی ڈھلوانوں میں بنی ہوئی گزرگاہوں کے راستے دوسری طرف نکل جانا چاہئے۔ یہی سوچ کر وہ پہاڑ سے نیچے اترا اور وہ پہاڑوں کے درمیان بنی گزرگاہ میں داخل ہو گیا۔ اس گزرگاہ کے بعد بہت سی تنگ گھاٹیاں اور درے آتے تھے وہ انہیں عبور کرتا گیا اب رات ہو چکی تھی۔ آسمان پر چاند نکل آیا تھا۔ عامر پہاڑوں کے درمیان سفر کرتے کرتے بہت تھک چکا تھا۔ اس نے سوچا کہ اسے وہ رات ان پہاڑوں میں گزار لینی چاہیے۔ اور اگلے دن صبح سویرے اپنے سفر پر روانہ ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ اس نے ان چھوٹی بڑی پہاڑیوں اور چٹانوں میں اپنے لئے ایک ایسی جگہ تلاش کرنی شروع کر دی۔ جو ہر طرح سے محفوظ ہو۔ جہاں وہ آرام سے سو سکے۔ کچھ دیر تلاش کرنے کے بعد ایک ایسی جگہ مل گئی۔ اس جگہ کے اوپر ایک چٹان نے سائبان کر رکھا تھا۔ اس لئے وہاں چاند کی روشنی نہ پہنچ رہی تھی اور وہ جگہ مکمل اندھیرے میں تھی۔ وہ ایک بڑے سے پتھر کو تکیہ بنا کر وہاں لیٹ گیا۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے اس جگہ سے کچھ فاصلہ پر ہلکی سی روشنی ہوتے ہوئے دیکھی۔ وہ گھبرا گیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ روشنی لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ شاید اس جگہ کوئی کنواں یا کھنڈ واقع تھا۔ جس میں سے وہ روشنی نکل رہی تھی وہ روشنی تیز سے تیز ہوتی گئی۔ پھر عامر نے اس کھنڈ میں سے تین پریوں کو باہر نکلتے دیکھا۔ وہ روشنی ان پریوں سے نکل رہی تھی۔ ان کے سروں پر جواہرات جڑے تاج سجے تھے۔ کھنڈ سے باہر نکل کر ان پریوں نے پر پھڑ پھڑائے۔ بازو اوپر اٹھائے اور آسمان کی طرف پرواز کر گئیں۔ عامر کچھ حیرت اور خوف سے انہیں آسمان کی بلندیوں کی طرف پرواز کرتے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ اس نے سوچا۔ اسے چل کر دیکھنا چاہئے کہ وہ پریاں کس جگہ سے برآمد ہوئی تھیں۔ وہ جب اس مقام پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی کھنڈ یا گڑھا نہ تھا۔ بلکہ ایک بہت ہی پرانا سا کنواں تھا۔

چاند کی روشنی اس کنویں میں بہت اندر تک جا رہی تھی اور اس روشنی میں عامر کو اس کنویں میں اترنے کے لئے بنی ہوئی سیڑھیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اسے حیرت ہونے لگی کہ آخر ان پہاڑوں میں، ایسی جگہ پر جو بالکل ویران اور سنسان تھی۔ جہاں کسی کا گزر نہ ہوتا تھا۔ کس نے وہ کنواں تعمیر کروایا تھا۔ اس پرانے کنویں کو شاید ان پریوں نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا۔ لیکن یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ پریاں اپنا وطن پرستان چھوڑ کر اس کنویں میں رہنے لگی ہوں۔ اس نے سوچا کہ اسے اس کنویں میں اتر کر دیکھنا چاہئے کہ اس میں کیا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ وہ کنویں میں بنی ہوئی سیڑھیوں پر قدم رکھتا ہوا آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ جب وہ اس کی تہہ میں پہنچا تو اس نے دیکھا۔ کنویں کی ایک دیوار میں ایک دروازہ بنا ہوا تھا۔ وہ اس میں سے گزر کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے اپنے آپ کو بے حد روشن شاندار اور خوب صورت کمرے میں موجود پایا۔ وہ حیرت زدہ اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا شاندار اور سجا ہوا کمرہ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ گھوم پھر کر بڑی دلچسپی سے ہر چیز کو دیکھنے لگا۔ اس کمرے کا ایک دروازہ دوسرے کمرے میں کھلتا تھا وہ اسے کھول کر اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ کمرہ بھی پہلے کمرے کی طرح نہایت خوبصورتی سے آراستہ تھا۔ اس کے آگے اور کمرے اور بڑے بڑے ہال آتے تھے۔ عامر حیرت زدہ سا اس جگہ کی سیر کرتا رہا۔ ان پریوں نے اپنے رہنے کے لئے اس پرانے کنویں کے اندر کتنی شاندار رہائش گاہ بنا رکھی تھی۔ شاید انہوں نے انسانوں کی دنیا کی سیر کے لئے وہاں ٹھہرنے کے لئے یہ رہائش گاہ بنا رکھی تھی۔

اس جگہ کی سیر کرتے کرتے عامر کو خاصی دیر گزر گئی تو اسے خیال آیا کہ پریاں کسی بھی وقت واپس آ سکتی تھیں۔ اس لئے ان کی واپسی سے پہلے پہلے اس جگہ سے نکل جانا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی وہ تیزی سے پہلے والے کمرے میں واپس آ گیا۔ اسی وقت بڑی زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ بے پناہ شور وغل بلند ہونے لگا۔ عامر خوف زدہ ہو کر ایک کونے میں سمٹ گیا۔ اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ اُسی وقت اس کے چاروں طرف گھپ اندھیرا چھا گیا۔ جب اندھیرا چھٹا اور شور وغل کی آوازیں موقوف ہو گئیں۔ تو اس نے دیکھا کہ وہ اس وقت اس شاندار اور خوب صورت کمرے میں نہیں۔ ایک بہت بڑے بھیانک غار میں کھڑا تھا۔ جس کی دیواریں بالکل سیاہ تھیں۔ ان دیواروں پر جا بجا انسانی کھوپڑیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ ایک طرف لکڑیوں کی آگ پر ایک بڑا سا کالا برتن رکھا

تھا۔ جس میں سے بدبودار بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک لمبی چوڑی میز پڑی تھی۔ جو سیاہ پتھر کی تھی۔ اس پر انسانی کھوپڑیوں اور مختلف ہڈیوں کے ساتھ ساتھ عجیب سے آلات اور برتن رکھے تھے۔ اس میز پر ایک طرف سنگ مرمر کی پریوں کے چھوٹے چھوٹے مجسمے کھڑے تھے۔ وہ مجسمے بے حد خوبصورت اور چمکدار تھے۔ عامر میز کے اس حصے میں پہنچ کر ان مجسموں کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ہر مجسمے کی ایک ٹانگ میں سیاہ رنگ کا لوہے کا ایک چھوٹا سا کڑا پڑا ہوا تھا۔ اسے بے حد حیرت ہوئی۔ اس نے میز پر پڑا ہوا ایک چھوٹا سا چاقو اٹھا کر ایک مجسمے کی ٹانگ سے وہ کڑا کاٹنا شروع کر دیا۔ جب وہ کڑا کٹ کر زمین پر گرا تو اس کو آگ لگ گئی۔ یہ دیکھ کر عامر ڈر گیا اور گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ اس وقت کسی جادوگر کے طلسم میں موجود تھا۔ جس نے ان پریوں کے جسموں کی ٹانگوں میں جادوئی کڑے ڈال رکھے تھے۔ اس نے سوچا اسے اس جگہ سے فوراً ہی بھاگ جانا چاہئے۔ مبادا جادوگر وہاں آن پہنچے۔ اور اس کو دیکھ کر جادو کے زور سے کچھ کا کچھ بنا دے۔ یہ سوچ کر اس نے چاقو میز پر رکھ دیا اور باہر کو چلا۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ کیوں نہ باقی دو پریوں کے مجسموں کی ٹانگوں سے بھی لوہے کے کڑے کاٹ دے۔ یہ

سوچنے کے ساتھ ہی وہ واپس پلٹا اور میز پر سے چاقو اٹھا کر دوسری پری کی ٹانگ پر سے بھی لوہے کا کڑا کاٹ دیا۔ اس کڑے کو بھی زمین پر گرتے ہی آگ لگ گئی۔ اس کے بعد اس نے تیسری پری کی ٹانگ سے بھی یہ کڑا کاٹ دیا۔ وہ بھی زمین پر گرتے ہی جل گیا۔ اس نے چاقو میز پر رکھ دیا اور باہر کی سمت ہولیا۔ لیکن ابھی وہ دروازے تک پہنچا بھی نہ تھا کہ غار کے باہر کنویں میں بڑی خوفناک قسم کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی غار میں سیاہ رنگ کے دھوئیں کی ایک لکیر داخل ہونے لگی۔ جو سیدھی میز پر پڑی ہوئی ایک کھوپڑی میں داخل ہونے لگی۔ عامر خوف زدہ نظروں سے کھوپڑی کو دیکھنے لگا۔ وہ کھوپڑی اب میز پر ادھر ادھر لڑھک رہی تھی۔ پھر جب اس میں دھواں بھرنا بند ہو گیا۔ تو اس کی آنکھوں کے گڑھوں میں بڑی بڑی خوف ناک سرخ آنکھیں دکھائی دینے لگیں۔ پھر ایک دل ہلا دینے والے چنگھاڑ کے ساتھ اس کھوپڑی سے ایک خوف ناک آواز بلند ہوئی۔

"چور لڑکے! تو اس غار میں کیسے داخل ہو گیا؟ تجھے نہیں معلوم کہ یہ میرا غار ہے؟ یہاں داخل ہونے والا زندہ نہیں بچ سکتا؟"

عامر شدید خوف زدگی کے عالم میں پیچھے ہٹتے ہٹتے غار

کی دیوار سے جا لگا تھا۔ اس کے منہ سے فرط دہشت سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔

''ٹھہر میں تجھے اس جسارت کا مزہ چکھاؤں!''

کھوپڑی میں سے پھر خوفناک آواز بلند ہوئی۔

اس کے ساتھ ہی وہ کھوپڑی میز کی سطح سے بلند ہوتی ہوتی عامر کی طرف بڑھنے لگی۔

عامر کو اب اپنی موت اپنے سامنے دکھائی دینے لگی۔ لیکن اس نے اپنی جان بچانے کا تہیہ کرلیا اور بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے پاس ہی جلتے ہوئے چولہے میں سے ایک لکڑی نکال لی اور اسے گھما کر پوری قوت کے ساتھ اپنی جانب بڑھتی ہوئی کھوپڑی پر رسید کی۔ کھوپڑی میں سے ایک بھیانک کراہ خارج ہوئی۔ وہ بڑے زور سے غار کی دیوار سے جا ٹکرائی۔ اس کے ساتھ ہی غار میں ایسا خوفناک شوروغل بلند ہونے لگا کہ عامر بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ وہ بھیانک غار غائب ہو چکا تھا اور وہ اسی خوبصورت اور شاندار کمرے میں، جس میں وہ پہلے داخل ہوا تھا۔ ایک بستر پر پڑا تھا اور اس کے سامنے تین خوبصورت پریاں کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ یہ وہی پریاں تھیں جن کو اس نے اس کنویں سے نکل کر آسمان پر پرواز کرجاتے دیکھا تھا وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور حیرت بھری نظروں سے اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

یہ سب کچھ کیا ہے اچھی پریو؟ میں اس وقت کہاں ہوں؟ اس نے پوچھا۔

''تم اس وقت ہمارے گھر میں موجود ہو اچھے لڑکے۔ ہم تینوں بہنیں تمہاری بے حد شکر گزار ہیں کہ تم نے ہمیں اس ظالم جادوگر سے نجات دلائی'' پریاں بولیں۔

''وہ کیا قصہ ہے اچھی پریو...... کیا تم مجھے سنانا پسند کرو گی!'' عامر نے کہا۔

''ہاں اے نیک دل لڑکے۔ ہم ضرور تمہیں یہ قصہ سنائیں گے'' ایک پری بولی ''ہم پرستان کے بادشاہ فیروز شاہ کی بیٹیاں ہیں۔ ہمیں بچپن ہی سے انسانوں کی دنیا کی سیر کرنے کا بے حد شوق تھا۔ ہم نے انسانوں کی دنیا کے بارے میں رنگا رنگ کہانیاں سن رکھی تھیں۔ جو ہمارے شوق کی آگ کو اور بھی بھڑکاتی تھیں ہمارے ماں باپ ہمارے اس شوق کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ وہ اکثر ہمیں سمجھاتے تھے کہ انسانوں کی دنیا کی سیر ہمارے حق میں بہتر ثابت نہ ہوگی۔ بلکہ ہم انسانوں کی دنیا میں جا کر طرح طرح کی مصائب میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اس لئے ہمیں انسانوں کی دنیا کی سیر

کے شوق کو اپنے دل سے نکال دینا چاہیے اور آرام سے اپنے وطن میں رہنا چاہیے۔ لیکن ہم پر اپنے ماں باپ کے اس سمجھانے بجھانے کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

پھر جب ہم بڑی ہو گئیں تو ہم نے اپنے ماں باپ سے انسانوں کی دنیا میں جانے کی ضد کرنی شروع کر دی۔ ہمارے ماں باپ نے ہمیں بہت سمجھایا۔ ڈانٹ ڈپٹ کی۔ ہر طرح سے اپنی ضد سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر ہم بدستور اپنی ضد پر اڑی رہیں۔ اس پر تنگ آ کر انہوں نے ہمیں انسانوں کی دنیا کی سیر کی اجازت دے دی۔ ان کی اجازت پا کر ہم تینوں خوشی خوشی انسانوں کی دنیا کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ہمیں انسانوں کی دنیا کی سیر کرتے ہوئے بے حد ہی لطف آیا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ ہمیں وہاں کسی جگہ اپنی رہائش گاہ بنا لینی چاہیے۔ اور وہاں رہتے ہوئے انسانوں کی دنیا کی سیر کرنی چاہیے۔ چنانچہ ہم نے یہاں پہاڑوں میں گھرا ہوا یہ پرانا کنواں تلاش کیا۔ اور اس میں اتر گئیں۔ اس کے اندر اس غار میں ہم نے اپنے رہنے کے لئے یہ زیرِ زمین رہائش گاہ بنائی۔ ہم دن کو یہاں قیام کرتی تھیں اور رات کو یہاں سے باہر نکل کر انسانوں کی دنیا کی سیر کو روانہ ہو جاتی تھیں۔ ہمیں یہاں رہتے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ جانے کہاں سے وہ شیطان جادوگر اس کنویں میں داخل ہو گیا۔ اس ظالم جادوگر نے اپنے جادو کے زور سے ہماری رہائش گاہ کا یہ کمرہ ختم کر دیا اور اس جگہ اپنا بھیانک غار بنا لیا۔ ہم اس وقت باہر گئی ہوئی تھیں۔ جب ہم واپس آئیں تو کنویں میں اترتے ہی جادوگر کے سحر سے سنگِ مرمر کی چھوٹی چھوٹی بے جان پریاں بن گئیں۔ اس ظالم جادوگر نے ہماری ٹانگوں میں لوہے کے کڑے پہنا دیئے۔ جب تک وہ ظالم جادوگر اس غار میں رہتا تھا۔ ہم یونہی پتھر کے مجسمے بنی رہتی تھیں اور ہمارا کمرہ اس کا بھیانک غار بنا رہتا تھا۔ لیکن جب وہ اس کنویں سے باہر جاتا تھا تو اس کا بھیانک غار پھر ہمارا خوبصورت کمرہ بن جاتا تھا اور ہم اپنی اصلی صورتوں میں واپس آتے ہی کنویں سے نکل کر اپنے وطن کوہ قاف کی طرف روانہ ہو جاتی تھیں۔ لیکن جب ہم اس کی سرحدوں کے قریب پہنچی تھیں تو اپنی ٹانگوں میں پڑے ہوئے لوہے کے کڑوں کی بدولت ہم ایک انچ بھی آگے نہ جا سکتی تھیں۔ اور کوشش کر کر کے تھک جاتی تھیں۔ ان کڑوں پر جانے اس خبیث جادوگر نے کیا جادو کر رکھا تھا۔ کہ جب بھی ہم انہیں اپنی ٹانگوں سے اتارنے یا کاٹنے کی کوشش کرتی تھیں تو ان میں سے آگ نکلنے لگتی تھی۔ جب ہم کنویں سے باہر ہوتی تھیں تو ہم چاہے کسی بھی جگہ پر ہوتیں۔ جادوگر کے اس

پہاڑی سلسلے میں داخل ہوتے ہی ہم فوراً ہی اس کے سحر سے اس غار میں آ کر سنگی مجسموں میں تبدیل ہو جاتی تھیں۔ اور ہمارا یہ خوبصورت گھر اس کا بھیانک غار بن جاتا تھا وہ ظالم جادوگر ہمیں بہت ستاتا اور تنگ کرتا رہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم اُسے اپنے باپ شاہ پرستان کے خزانے کا پتہ بتا دیں۔ وہ اس خزانے کو حاصل کرنے کے ساتھ ہی ہمارے باپ کی سلیمانی انگوٹھی کو بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ ہمارے باپ کی جگہ وہ خود پرستان کا بادشاہ بن جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم اسے اپنے باپ کی انگوٹھی چرا کر لا دیں۔ لیکن ہم اسے نہ اپنے باپ کے خزانے کا پتہ بتانے پر آمادہ ہو سکیں۔ نہ اس کی سلیمانی انگوٹھی چرا کر لانے پر۔ اس پر وہ ہم پر بہت سختیاں کرتا تھا۔ اور ظلم توڑتا تھا۔

وہ ظالم جادوگر جب کنویں میں داخل ہوتا تھا تو وہ سیاہ دھوئیں کی صورت میں اپنے غار میں داخل ہو کر ایک بڑی سی کھوپڑی میں گھس جاتا تھا۔ اس وقت اس کی کھوپڑی میں جان پڑ جاتی تھی اور وہ اِدھر اُدھر حرکت کرنے لگتی تھی۔ ہم نے معلوم کر لیا تھا کہ ایسی حالت میں اگر کوئی اس کھوپڑی کو توڑ دے تو جادوگر کی موت واقع ہو سکتی تھی اور ہم ہمیشہ کے لئے اس کے سحر آزاد ہو سکتی تھیں۔ لیکن پرستان واپس ہم اِسی صورت میں جا سکتی تھیں کہ جادوگر کا خاتمہ کرنے والا شخص ہماری ٹانگوں میں پڑے ہوئے لوہے کے کڑے کاٹ دے۔ اس لئے اے نیک دل لڑکے! ہم تینوں بہنیں تمہاری بے حد احسان مند ہیں اور تمہارا دل سے شکریہ ادا کرتی ہیں۔ تمہاری مہربانی سے ہم اپنی اصل صورتوں میں واپس آنے کے ساتھ ہی اپنے وطن جانے کے لیے بھی آزاد ہو گئی ہیں۔ لیکن یہاں سے جانے سے پہلے ہم تمہارے اس عظیم احسان کا بدلہ اتارنا چاہتی ہیں۔ کہو تم کیا چاہتے ہو؟ تمہیں ہم سے کس قسم کی مدد درکار ہے؟"

"اچھی پریو۔ میری خواہش ہے کہ میں کسی ملک کا حکمران بن جاؤں۔" "تمہاری یہ خواہش ضرور پوری ہو جائے گی نیک دل لڑکے۔ ہمارے ساتھ آؤ۔ پری نے کہا۔

چنانچہ تینوں پریوں نے عامر کو ایک تخت پر بٹھایا۔ اور کنویں سے باہر نکل کر اس تخت کے ہمراہ اڑتی ہوئی ایک سمت ہو لیں۔ آدھی رات کا وقت تھا ہر سو اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ تاروں بھرے آسمان کے نیچے سفر کرتے کرتے ایک جگہ پہنچ کر نیچے اتر پڑیں۔ عامر نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک شاندار قلعے کی اونچی اونچی دیواریں سر اٹھائے کھڑی تھیں اس قلعے کا پھاٹک بند تھا۔

"اب ہمارا کام ختم ہوتا ہے نیک دل لڑکے۔" پریوں

نے کہا۔ ”صبح جب یہ پھاٹک کھلے گا تو تمہاری مراد بر آ جائے گی۔ یہ ایک بہت بڑے بادشاہ کی سلطنت ہے۔ جو بے اولاد ہے اور اب بہت بوڑھا ہو چکا ہے۔ اس نے اعلان کر دیا ہے کہ اس قلعے کے دروازے پر جو بچہ بھی کہیں سے آ کر سب سے پہلے پہنچے۔ وہ اسے اپنا ولی عہد بنالے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہی اس سلطنت کا حکمران ہوگا۔ ہم نے کل رات اس ملک کی سیر کرتے ہوئے یہ اعلان سنا تھا۔ اب صبح ہوتے ہی جونہی یہ پھاٹک کھلے گا۔ پہریدار تمہیں باہر کھڑا پا کر سیدھے بادشاہ کے پاس لے جائیں گے۔ وہ تمہیں اپنا ولی عہد بنالے گا۔ پھر اس کے مرنے کے بعد تم اس ملک کے بادشاہ بن جاؤ گے۔ ہماری نصیحت ہے نیک دل لڑکے کہ بادشاہ بننے کے بعد تم اپنی رعایا کے لئے ایک مثالی حکمران ثابت ہونے کی کوشش کرنا اور نہایت عدل و انصاف سے حکومت کرنا۔“

”میں تمہاری ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اچھی پریو۔ یہ میرے لئے ہمیشہ مشعلِ راہ رہیں گی۔“ عامر احسان مندی سے بولا۔

”اچھا تو نیک دل لڑکے اب ہمیں اجازت دو۔ ہم اب اپنے گھر جاتی ہیں ہمیں اپنے والدین کی نافرمانی کی خوب سزا ملی ہے۔ اب ہم کبھی انسانوں کی دنیا میں نہ آئیں گی۔ بلکہ آرام سے اپنے وطن میں رہیں گی۔“ پریوں نے کہا۔

”خدا حافظ نیک دل پریو۔ تم مجھے ہمیشہ یاد رہو گی۔“ عامر نے کہا۔

پریوں کے جانے کے بعد عامر پھاٹک کے قریب ہی لیٹ کر سو گیا جب صبح ہوئی اور دربانوں نے پھاٹک کھولا۔ تو انہیں باہر عامر سوتا ہوا دکھائی دیا۔ انہوں نے اسے دیکھتے ہی بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ اور اسے جگا کر اپنے ساتھ بادشاہ کے محل میں لے گئے۔ جہاں بادشاہ اور ملکہ اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ انہوں نے اسے اپنا بیٹا بنالیا اور اس کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا اب عامر بڑے عیش و آرام سے شاہی محل میں رہنے لگا۔ اس کی بڑے اعلیٰ پیمانے پر تعلیم و تربیت ہونے لگی۔ یہاں تک کہ کافی مدت گزر گئی اور بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ کے انتقال کے بعد عامر اس ملک کا بادشاہ بن گیا۔ اس نے بادشاہ بنتے ہی اپنے پریوں سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرنے کی پوری پوری کوشش کی اور جب تک زندہ رہا بڑے عدل و انصاف سے حکومت کرتا رہا اور اپنی رعایا کے لئے ایک مثالی حکمران ثابت ہوا۔

لال پیلی شہزادی

تحریر: ایم یوسف

جہان بادشاہ بوڑھا ہو چلا تھا لیکن اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ اداس رہتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ میرے مرنے کے بعد میرا تاج و تخت کون سنبھالے گا۔ اس کے اس دکھ سے اس کی ساری رعایا واقف تھی اور وہ بھی دعا مانگتی تھی کہ خداوند کریم ہمارے بادشاہ کو بیٹی یا بیٹے سے نواز دے۔

ایک روز کا ذکر ہے جہان بادشاہ اپنے محل کی اس بالکونی میں بیٹھا ہوا تھا جو باہر کی طرف واقع تھی کہ ایک بوڑھا فقیر اس بالکونی کے نیچے آن کھڑا ہوا اور جہان بادشاہ کو مخاطب کر کے بولا۔

حضور بادشاہ سلامت! سردی بہت پڑ رہی ہے مجھے کوئی گرم کپڑا عنایت کر دیں۔

جہان بادشاہ اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا اس لیے وہ فقیر کی صدا کو نہ سن سکا۔ اس پر فقیر نے دوبارہ آواز لگائی حضور بادشاہ سلامت! میرے پاس گرم لباس نہیں ہے آپ مجھے گرم لباس عنایت کر دیں۔

اب کی بار بھی جہان بادشاہ نے فقیر کی التجا نہ سنی۔ وہ اپنے خیالوں میں ڈوبا رہا۔ اس کے پاس ہی اس کی ملکہ براجمان بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے فقیر کی درخواست سن کر بادشاہ سے کہا۔

عالی جاہ! نیچے بالکونی کے سامنے ایک گداگر کھڑا ہے وہ آپ سے گرم لباس مانگ رہا ہے۔

اس پر جہان بادشاہ چونکا اور اس نے بوڑھے فقیر کی طرف دیکھ کر تالی بجائی۔ تالی کی آواز سن کر بادشاہ کے روبرو ایک غلام آ کے کھڑا ہو گیا جس سے جہان بادشاہ نے کہا۔

اس معزز فقیر کو ہمارے دو گرم کوٹ دے دیئے جائیں۔

غلام نے فقیر کو جہان بادشاہ کے دو استعمال شدہ کوٹ دے دیئے جن میں سے ایک کا رنگ سرخ تھا اور دوسرے کا زرد۔ فقیر ان کوٹوں کو لے کر بادشاہ کو اولاد کی دعائیں دینے لگا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

اس کے بعد کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اللہ نے جہان بادشاہ کو ایک بیٹی عطا کی۔ جہان بادشاہ بیٹی کی پیدائش پر خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے سارے ملک میں جشن برپا کیا جس میں غریبوں میں خوب انعامات تقسیم کیے گئے۔ شہزادی کا نام جہان بادشاہ نے رقیہ رکھا۔ رقیہ شہزادی ایک برس کی ہوئی تو سارے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کے چہرے کا آدھا حصہ لال ہو گیا اور آدھا پیلا۔ جہان بادشاہ کو یہ دیکھ کر بہت صدمہ ہوا اس نے ملک بھر کے حکیم بلا کر شہزادی کا علاج کرایا لیکن ماہر سے ماہر حکیم بھی شہزادی کے چہرے کا یہ نقص دور نہ کر سکا۔

تب جہان بادشاہ نے اردگرد کے ملکوں میں بھی اعلان کرایا کہ جو شخص بھی میری بیٹی کا روگ دور کرے گا میں اسے موتیوں سے بھری دس تھیلیاں انعام دوں گا۔ یہ اعلان سن کر دوسرے ملکوں سے بھی مشہور نامی گرامی حکیم شہزادی

رقیبہ کا علاج کرنے آنے لگے لیکن وہ بھی شہزادی کا مرض دور نہ کر سکے۔ اس بات نے جہان بادشاہ کا کھانا پینا حرام کر دیا۔ اسے پہلے اولاد نہ ہونے کا دکھ چبھتا رہتا تھا اب بیٹی کے بدصورت ہونے سے وہ اداس رہتا تھا۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ ایک بار ایک فقیر یہاں آیا تھا اس نے مجھ سے گرم لباس مانگا تھا جواب میں میرے غلام نے اسے دو کوٹ دیے تھے ان میں سے ایک لال رنگ کا تھا اور دوسرا پیلے رنگ کا تھا۔ کہیں میری بیٹی کے چہرے کے لال اور پیلے ہونے کی وجہ وہ فقیر تو نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ جادوگر ہو اور اس نے یہ شرارت کی ہو۔ یہ خیال جہان بادشاہ کے دماغ میں روز بروز پختہ ہوتا گیا۔ آخر کار اسے یقین ہو گیا کہ اس نے اس فقیر کو گرفتار کرنے کے لیے اپنے سپاہی ملک بھر میں دوڑا دیے۔ ایک ہفتہ بعد اس کے سپاہی اس بوڑھے فقیر کو پکڑ کر اس کے پاس لے آئے۔ جہان بادشاہ نے بوڑھے فقیر سے پوچھا۔

بوڑھے فقیر نے آرام سے جواب دیا۔ میرا نام باہو ہے۔ بادشاہ سلامت۔

جہان بادشاہ نے باہو پر دوسرا سوال کیا۔ کیا تم وہی بھکاری ہو جسے ہمارے نوکر نے دو کوٹ دیے تھے؟

باہو نے کہا۔ جی بادشاہ سلامت! میں وہی بھکاری ہوں۔

سچ سچ بتاؤ کیا تم نے ہماری بیٹی کا چہرہ بگاڑا ہے۔ وہ آدھا لال ہے اور آدھا پیلا ہے؟

باہو بولا۔ جی بادشاہ سلامت! آپ کی بیٹی کا چہرہ میری وجہ سے ہی لال پیلا ہوا ہے وہ اس لیے کہ آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی تھی۔ آپ نے جو دو کوٹ مجھے عنایت کیے تھے ان میں سے ایک کوٹ کی جیب میں نہایت زہریلا سانپ تھا اور دوسرے کی جیب میں کالا بچھو۔ وہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ ان کوٹوں کو پہننے سے پہلے میں نے انہیں گرم پانی میں ڈال دیا تھا تا کہ آپ کے پسینے کی بو ان سے نکل جائے۔ اب آپ خود ہی بتائیں میں نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے آگے دعا مانگی تھی کہ وہ آپ کو اولاد سے نوازے لیکن جب آپ کے ظلم کا پتہ چلا تو بددعا نہ مانگتا تو کیا کرتا؟

جہان بادشاہ اس فقیر کی شکایت سن کر بڑا شرمندہ ہوا۔ اس نے اسی وقت اس غلام کو طلب کیا جس نے باہو کو کوٹ دیے تھے اور اسے ڈانٹ پلائی کہ کوٹ دینے سے پہلے انہیں جھاڑا پونچھا کیوں نہیں تھا۔ پھر جہان بادشاہ نے باہو

سے معافی مانگ کر التجا کی کہ میری غلطی معاف کر دیں اور میری بیٹی شہزادی رقینہ کا چہرہ ٹھیک کر دیں۔

بامبو فقیر نے جواب میں جبان بادشاہ کو بتایا کہ بادشاہ سلامت شہزادی رقینہ کا چہرہ اب میں ٹھیک نہیں کر سکتا بلکہ اس کا چہرہ تبھی ٹھیک ہوگا جب زدشو پہاڑ کے اوپر واقع چشمے کے پانی کے ساتھ اس کا چہرہ دھویا جائے گا اور اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اکیلے ہی شہزادی رقینہ کو لے کر زدشو پہاڑ پر جائیں۔ راستے میں آپ کو بے شمار تکالیف اور سختیاں برداشت کرنا پڑیں گی مگر آپ کا کام ہے کہ ہمت نہ ہاریں اور آگے بڑھتے چلے جائیں۔

جبان بادشاہ نے بامبو فقیر کے منہ سے شہزادی رقینہ کا علاج سنا تو اسی وقت زدشو پہاڑ پر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ جب سب تیاری مکمل ہوگئی تو اگلے دن وہ زدشو پہاڑ کی سمت روانہ ہوگیا۔ شہزادی رقینہ کو پلانے کے لیے اس نے بہت سا دودھ بھی ساتھ لے لیا تھا۔ دو دن اور دو راتیں لگاتار سفر کرنے کے بعد وہ جونہی زدشو پہاڑ کی حدود میں داخل ہوا اس پر گدھوں نے حملہ کر دیا۔ سفید اور کالے رنگ کے ڈھیر سارے گدھ بار بار اس پر جھپٹنے لگے۔ جبان بادشاہ ان کے حملوں سے بچنے کی خاطر تلوار گھماتا تو وہ اوپر آسمان کی طرف اڑ جاتے۔ مگر تھوڑی دیر بعد دوبارہ بھیانک آوازیں گلے سے نکال کر اس پر جھپٹ پڑتے۔

ان خونخوار گدھوں نے بہت دور تک جبان بادشاہ کو لہولہان کرنے کی کوشش کی۔ جبان بادشاہ جہاں ان گدھوں سے خود کو بچا رہا تھا وہاں شہزادی رقینہ کو بھی بچا رہا تھا۔ شہزادی رقینہ گھوڑے پر اس کے آگے ایک لوہے کے بنے چھوٹے سے پنگھوڑے میں لیٹی ہوئی تھی اور گھوڑے کی اچھل کود سے گھبرا کر زار و قطار رو رہی تھی۔

جبان بادشاہ کی خدا خدا کر کے گدھوں سے جان چھوٹی تو ایک اور مصیبت اس پر نازل ہوگئی۔ وہ چھوٹے چھوٹے بندر تھے جو ادھر ادھر کے درختوں سے جبان بادشاہ پر چھلانگ مارتے تھے اور اس کے گھوڑے کو زخمی کر کے دوسری طرف بھاگ جاتے تھے۔ جبان بادشاہ گو بوڑھا ہو گیا تھا لیکن بیٹی کی محبت نے اس میں بے حد طاقت اور جوش پیدا کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ لگاتار بندروں کا تلوار کے ذریعے مقابلہ کرتا رہا۔ آخر بندروں کا علاقہ بھی ختم ہوگیا۔ جس پر جبان بادشاہ نے سکھ کا سانس لیا۔ اس نے نیچے اتر کر زخمی گھوڑے کے زخم صاف کیے اور ان پر مرہم لگا کر دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔

ابھی تھوڑی دور ہی گیا ہوگا کہ اس پر بے شمار بھیڑیے ٹوٹ پڑے۔ بھیڑیوں کی خوفناک غراہٹ سے جہان بادشاہ کا گھوڑا بدحواس ہوگیا۔ دوسری طرف شہزادی رقیہ نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ جہان بادشاہ اس صورت حال سے بڑا پریشان ہوا۔ اس سے نیزہ چلانا مشکل ہوگیا۔ وہ گھوڑے اور بیٹی کو سنبھالتا یا نیزہ مار کر بھیڑیوں کو دور بھگاتا۔ گھوڑا ڈر کر چھلانگیں مار رہا تھا اس لیے جہان بادشاہ کا اس پر بیٹھا رہنا مشکل ہوگیا تھا۔ پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح بھیڑیوں کے حملوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ تلوار کی بجائے اس نے لمبا نیزہ پکڑ رکھا تھا اور جونہی بھیڑیے دانت نکال کر گھوڑے کے پاس آتے تھے وہ انہیں نیزے کی نوک چبھونے لگتا تھا جس سے بھیڑیے واپس بھاگ جاتے تھے۔ شہزادی رقیہ کا جھولا چونکہ گھوڑے کی پیٹھ کے ساتھ مضبوطی سے بندھا ہوا تھا نہیں تو جس طرح گھوڑا زور زور سے اچھل رہا تھا وہ ضرور نیچے گر جاتی۔ پھر جہان بادشاہ کو بھی مجبوراً نیچے اترنا پڑتا اور بھیڑیے اس کی تکا بوٹی ایک کردیتے۔

جہان بادشاہ نے بڑی بہادری اور دلیری سے بھیڑیوں کا مقابلہ کیا اور انہیں آخر کار بھگا کر ہی دم لیا۔ اس کے بعد جہان بادشاہ نے سرے سے گھوڑے کے زخموں پر مرہم لگائی اور باقی ماندہ فاصلہ طے کرنے لگا۔ زرشو پہاڑ اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک کوس کے فاصلے پر تھا۔ اس سے جہان بادشاہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ لیکن یہ خوشی اس کے لیے عارضی ثابت ہوتی کیونکہ اب ریچھوں کا علاقہ شروع ہوگیا تھا۔ پہاڑی ریچھ بہت موٹے اور ہاتھی جتنے بڑے تھے۔ وہ سامنے آئے تو جہان بادشاہ کے گھوڑے نے زور زور سے کانپنا شروع کردیا۔ ریچھ ان کی طرف ایسے آرہے تھے جیسے کالی گھٹائیں بڑھی چلی آرہی ہوں۔ جہان بادشاہ بھی ان بھیانک ریچھوں کو دیکھ کر لرز اٹھا۔ ریچھ پچھلے پیروں پر چل رہے تھے اور بازو انہوں نے ایسے کھول رکھے تھے جیسے گھوڑے کو قابو کرکے اس کی پسلیاں توڑ دیں گے۔

جہان بادشاہ کا گھوڑا دوڑنا بھول گیا تھا اور ریچھوں کے خوف سے ایک ہی جگہ رک کر زور زور سے کانپ رہا تھا۔ جہان بادشاہ نے ایڑیاں مار کر اسے آگے بڑھنے کے لیے بہت کہا مگر گھوڑا اس سے مس نہ ہوا۔ چنانچہ جہان بادشاہ گھوڑے سے کود گیا اور ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں نیزہ تھام کر ریچھوں کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اگلے لمحے ریچھوں نے جہان بادشاہ پر حملہ کردیا۔ جہان

بادشاہ نے پہلے ہلے میں دو ریچھ ہلاک کر دیئے۔ جس پر باقی ریچھ سہم کر پیچھے ہٹ گئے اور نئے حملے کی تیاری کرنے لگے۔ اگلا حملہ انہوں نے بڑے زور کا کیا۔ لیکن جبان بادشاہ نے اسے بھی ناکام بنا دیا۔ اس مرتبہ اس نے تین ریچھ مار ڈالے۔ اس سے ریچھوں کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ انہوں نے غضب ناک ہو کر چھاتی پیٹنا اور زمین ادھیڑنا شروع کر دی، پھر اچھل اچھل کر جبان بادشاہ کی طرف بڑھے۔ وہ اس بار بے حد وحشی ہو گئے تھے۔ انہوں نے یہ بھی پرواہ نہ کی کہ جبان بادشاہ نے ان کے کتنے ساتھی ہلاک کر دیئے ہیں۔ ان کے سر پر ایک ہی بھوت سوار تھا کہ جبان بادشاہ کو چیر پھاڑ ڈالیں۔ جبان بادشاہ نے بھی بڑی شجاعت دکھائی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ پامردی سے وحشی ریچھوں پر تلوار اور نیزے کے وار کرنے لگا۔ اس نے تلوار اور نیزے سے پانچ ریچھ مار ڈالے لیکن وہ اپنے گھوڑے کو نہ بچا سکا جسے دو ریچھوں نے زوردار تھپڑ مار کر زمین پر گرا دیا پھر اس کی گردن دبوچ کر ایک طرف کو بھاگ اٹھے۔ جبان بادشاہ نے یہ منظر دیکھا مگر وہ خود چونکہ دس بارہ ریچھوں میں پھنسا ہوا تھا اس لیے گھوڑے کو گھسیٹ کر لے جانے والے ریچھوں کا پیچھا نہ کر سکا۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ریچھ گھوڑے کو لے کر ایک گہری کھائی میں اتر گئے جس کے بعد وہ ریچھ بھی بھاگ گئے جنہوں نے جبان بادشاہ کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔

جبان بادشاہ پاگلوں کی مانند دوڑتا ہوا ادھر گیا جدھر ریچھ مردہ گھوڑے کو لے کر گئے تھے مگر وہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہاں گھوڑے اور ریچھوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس سے جبان بادشاہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور شہزادی رقینہ کو یاد کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا کیونکہ گھوڑے کے ساتھ ساتھ شہزادی رقینہ کا جھولا بھی ریچھ لے گئے تھے۔ جبان بادشاہ کے لیے دنیا اب ویران ہو گئی تھی اور اس نے سوچا کہ اب جینے کا کیا فائدہ چنانچہ وہ خودکشی کرنے کے لیے ایک اونچی جگہ پر چڑھ گیا اور چاہتا تھا کہ نیچے کھائی میں چھلانگ مار دے کسی نے اچانک اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ بادشاہ نے جھٹ مڑ کر دیکھا تو ششدر رہ گیا کیونکہ اس کے سامنے بامو فقیر کھڑا تھا۔

بامو فقیر نے جبان بادشاہ کا کاندھا تھپتھپایا اور مسکرا کر کہا۔

جبان بادشاہ تم اس امتحان میں پاس ہو گئے ہو جو میں نے تم سے لیا ہے اس لیے آؤ میرے ساتھ۔

اقوال زریں

☆ جب حق تعالیٰ اپنے بندے کو اپنا دوست بناتا ہے تو اس کو بہت سی تکالیف دیتا ہے اور جس دشمن بناتا ہے تو دنیا اس پر فراخ کر دیتا ہے۔ (حضرت عبدالقادر جیلانی)

☆ علم ایک ایسا بادل ہے جس سے رحمت ہی رحمت برستی ہے۔ (بابا فرید گنج شکر)

یہ کہہ کر بامبو بھکاری جبان بادشاہ کو زدشو پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا۔ وہاں جبان بادشاہ نے دیکھا ایک نہایت شفاف پانی والا چشمہ بہہ رہا تھا اور اس کے کنارے پر شہزادی رقیبہ کھیل رہی تھی۔ وہ اب لال پیلی نہیں رہی تھی بلکہ گوری چٹی ہو گئی تھی۔ اپنی لاڈلی بیٹی کو دیکھ کر جبان بادشاہ بے قرار ہو گیا اور دوڑ کر اس کے پاس چلا گیا اور اسے ہاتھوں پر اٹھا کر خوب پیار کرنے لگا پھر اس نے بامبو فقیر سے پوچھا کہ اے نیک بزرگ یہ سب کیا گورکھ دھندا ہے۔ میری بیٹی کو تو ریچھ لے گئے تھے یہ یہاں کیسے پہنچی؟

جواب میں بامبو بزرگ نے کہا۔

جبان بادشاہ! میری دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹی عطا کی تھی، میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہیں اپنی بیٹی سے کس قدر محبت ہے لہٰذا میں نے اس کا چہرہ آدھا لال اور آدھا پیلا کر دیا۔ میرا خیال تھا تم اس کا علاج نہیں کرو گے۔ لیکن تم نے اس کے علاج کی خاطر دن رات ایک کر دیا۔ پھر تم نے مجھے ڈھونڈ نکالا اور مجھ سے کہا کہ میں اس کے چہرے کو ٹھیک کر دوں پر میں نے تمہارا مزید امتحان لینے کے لیے تمہیں زدشو پہاڑ پر بھیج دیا۔ تم نے اس سے بالکل انکار نہ کیا اور میرے بھیجے ہوئے بندروں، گدھوں، بھیڑیوں اور ریچھوں سے لڑتے ہوئے یہاں پہنچ گئے۔ اس کا مطلب ہے تمہیں واقعی اپنی بیٹی سے بے پناہ محبت ہے چنانچہ میں نے تمہارا امتحان ختم کر دیا اور تمہیں خودکشی کرنے سے پہلے پہلے بچا لیا۔ اب میں خوش ہوں۔ میں نے شہزادی رقیبہ کو بھی ٹھیک کر دیا ہے اور تمہارا گھوڑا بھی پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے۔ چنانچہ جاؤ اور ساری زندگی خوش رہو۔ یہ کہہ کر بامبو بزرگ جبان بادشاہ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے جس کے بعد جبان بادشاہ نے شہزادی رقیبہ کو کاندھے پر اٹھایا اور زدشو پہاڑ سے نیچے اترنے لگا۔

حسین شہزادی

تحریر: مقبول احمد دہلوی

صدیوں پرانی کہانی ہے۔ پرستان کے جنگلوں میں ایک مرتبہ ایک بڑا عجیب سا واقعہ پیش آیا۔ پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی کے پتھر آہستہ آہستہ پگھلنے لگے۔ وہ پگھلتے پگھلتے اور نیچے تک پھیل گئے۔ آخر میں وہاں ایک لکیری بن گئی۔ تھوڑی عرصہ بعد اس پر شیشے کی تہیں چڑھنے لگیں۔ اور آخر میں ایک روز سارا کا سارا پہاڑ شیشے کا بن گیا۔

برسوں وہ شیشے کا پہاڑ کھڑا رہا۔ پھر ایک روز کسی دیو نے اس پہاڑ پر ایک شاندار محل تعمیر کیا۔ اور اس میں بڑے مزے سے رہنے لگا۔

شیشے کے پہاڑ کے اوپر دیو نے جو قلعہ نما محل تعمیر کیا تھا وہ سارا کا سارا سونے اور قیمتی دھات اور پتھروں کا بنا ہوا تھا۔ سونے کے محل کے سامنے سیب کا ایک درخت تھا۔ اس درخت پر سونے کے سیب لگا کرتے تھے۔

سونے کے اس محل میں ایک شہزادی قید تھی دیو اسے کسی ملک سے اٹھا کر لے آیا تھا۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر شہزادی کے انکار پر دیو نے اسے محل میں قید کر دیا۔ شہزادی اپنے چاندی کے کمرے میں سارا دن اکیلی پڑی رہتی۔ شہزادی بڑی حسین و جمیل تھی۔ لیکن اتنے بڑے محل میں اکیلی رہتے رہتے وہ تنگ آ گئی تھی۔ اس کا محل چونکہ پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی واقع تھا۔ اس لیے وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر باہر کی ساری دنیا دیکھتی۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ کھڑکی سے اُڑ کر باہر چلی جائے۔ لیکن وہ شہزادی تھی کوئی پرندہ تو نہیں۔ شادی سے انکار کرنے پر دیو اسے یہاں قید کر کے خود کہیں اور چلا گیا تھا۔ جاتے وقت کہہ گیا تھا کہ سات برس تک شہزادی اس محل میں قید رہے گی۔ اگر اس مدت میں کوئی نوجوان پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور سیب کے درخت سے ایک پھل توڑ کر شہزادی کو کھلا دے گا تو شہزادی آزاد ہو جائے گی۔ اور وہ شخص شہزادی سے شادی کر کے اسی محل میں رہ سکے گا۔ شادی کے بعد وہ شہزادی دونوں قلعہ اور اس کی ساری دولت کے مالک ہوں گے۔ لیکن اگر سات سال تک وہاں کوئی بھی نوجوان نہیں پہنچ سکا تو شہزادی پگھل کر سونے کا ڈھیر بن جائے گی۔

اب آپ ہی سوچئے بھلا کون شخص ایسا ہو گا جو اس شیشے کے پہاڑ پر جا کر شہزادی کو حاصل کرنے اور اتنی دولت پانے کی آرزو نہ کرے گا؟ یکے بعد دیگرے بے شمار نوجوانوں نے شیشے کے پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن شیشے کے پہاڑ پر چڑھنا اتنا آسان نہیں تھا۔ ان میں سے کئی گر گر مر گئے۔ بہتوں کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے اور بے شمار زخمی ہو کر ناکام لوٹے۔ آہستہ آہستہ شیشے کے پہاڑ کے نیچے ہڈیوں کا ڈھیر جمع ہو گیا۔ مگر جو شہزادوں اور بہادر نوجوانوں کا یہ درد ناک سلسلہ جاری رہا۔ اور وقت بڑی تیزی سے گزرتا گیا۔ ادھر جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا۔ شہزادی کی اداسی اور پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک دن ایسا آیا کہ

سات سال کی مدت ختم ہونے میں صرف تین دن باقی رہ گئے۔ اس روز شیشے کے پہاڑ کے نیچے ایک بڑی تیز آواز سنائی دی۔ ایک شہزادہ اپنی فوج کے ساتھ نیچے کھڑا تھا۔ اس نے بانسری بجائی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اگلے ہی لمحہ گھوڑا تیزی کے ساتھ پہاڑ پر چڑھنے لگا۔

گھوڑے کے سم چنگاریاں برساتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ اس کے سپاہی نیچے کھڑے اپنے بہادر شہزادے کا یہ جادوئی تماشا دیکھتے رہے۔ گھوڑا اب قریب قریب قلعے کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تھا ایک بار تو ایسا محسوس ہوا کہ شہزادہ قلعہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس بیچارے کو یہ معلوم نہیں کہ قلعے کی حفاظت ایک بھیانک پرندہ کرتا ہے۔ شہزادہ جیسے ہی قلعہ کے قریب پہنچا، اچانک ایک طرف سے عقاب کی شکل کا ایک بڑا سا پرندہ اس پر جھپٹا۔ اس اچانک حملے سے گھوڑا بدک گیا۔ وہ زور سے ہنہنایا۔ اس نے دم اٹھائی اور سامنے کے دونوں پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر ایک بڑے پتھر کی طرح لڑھکتا ہوا۔ دھڑام سے نیچے کی طرف آگرا۔

شہزادی اپنی کھڑکی میں کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ وہ شہزادے کا یہ دردناک انجام دیکھ کر رو پڑی۔ اب دو روز باقی تھے۔ اسے یقین ہو گیا کہ دونوں میں اب کچھ نہ ہوگا۔ اور وہ یونہی تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ ہونے والی بات جب خدا کا حکم ہو تو ایک پل میں وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔

اس جنگل میں ایک لکڑہارا تھا۔ اس کے نوجوان بیٹے نے شیشے کے پہاڑ پر چڑھنے اور شہزادی کو رہائی دلانے کا پختہ عزم کر رکھا تھا۔ اپنے ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس نے لوہے کے چار پنجے بنوائے، دونوں ہاتھوں میں اس نے ایک ایک پنجا پہنا، دو پنجے اس نے اپنے دونوں پیروں میں لگائے۔ اور پھر بڑی شان سے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ لوہے کے نوکیلے پنجوں سے وہ شیشے کو توڑتا۔ وہاں اپنے پاؤں پھنساتا اور پھر آگے بڑھ جاتا۔ لیکن آگے بڑھنا اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ آدھے راستے تک پہنچا کہ تھک کر چور ہو گیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ لوہے کے پنجوں کو پھنسا کر وہ ستانے کی غرض سے وہیں لیٹ گیا۔ اس نے اپنے سامنے چمکتا ہوا سونے کا محل، سونے کے سیب کا درخت اور چاندی کے جھروکوں سے جھانکتی ہوئی حسین شہزادی کو دیکھا اور ہمت کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اچانک نیچے بڑیوں کے

پنجر اور ڈھانچے دیکھ کر وہ کانپ اٹھا۔ ادھر شام ہو رہی تھی اور ہر طرف گہرا اندھیرا چھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بالکل تاریکی چھا گئی۔ چاند نکلا تو ایک بار پھر ہر طرف اجلی روشنی پھیل گئی۔ محل کی حفاظت کرنے والا عقاب اُڑ کر دیکھ بھال کرنے لگا۔ اچانک عقاب نے محل کے کچھ فاصلے پر پہاڑ کے اوپر نوجوان لکڑہارے کو لیٹے ہوئے دیکھا۔ اس نے سوچا شاید وہ مر چکا ہے وہ اسے کھانے کے لیے اس پر جھپٹا۔ اس نے لکڑہارے کی پیٹھ پر اپنے پنجے گڑا ئے۔ پنجے لگتے ہی وہ جاگ پڑا۔ اس نے بھیانک عقاب کو دیکھا تو مارے خوف کے اسے پسینہ چھوٹ گیا۔ لیکن نوجوان تھا بڑا ہمت والا۔ عقاب جیسے ہی ذرا بلند ہوا اس نے اس کے پنجے مضبوطی سے پکڑ لیے۔ عقاب لکڑہارے سمیت اُڑ گیا اور قلعے کے گرد چکر لگانے لگا۔

لکڑہارے نے قلعہ میں قید جب حسین شہزادی کو دیکھا تو اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے جلدی سے جیب سے چاقو نکالا اور بڑی پھرتی کے ساتھ عقاب کے دونوں پاؤں کاٹ ڈالے اور سیدھا سیب کے درخت پر جا گرا۔ اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ سونے کے سیب توڑے اور درخت سے نیچے اتر آیا۔ درخت سے اترتے ہوئے درخت کی چھال لگنے سے اس کے جسم کے زخم بھی مندمل ہو گئے۔ نیچے اتر کر اس نے سکون کا سانس لیا اور قلعہ کے اندر چلا گیا۔ اتنے میں آگ کے شعلے چھوڑتا اور پھنکارتا ہوا ایک اژدھا اس کی طرف بڑھا۔ لیکن لکڑہارا بالکل نہیں ڈرا۔ جھٹ سونے کا ایک..... سیب اس کے منہ میں ڈال دیا۔ سیب کھاتے ہی اژدھا چپ چاپ واپس چلا گیا۔

کچھ دور جانے پر لکڑہارے نے ایک خوبصورت باغ دیکھا۔ جس میں مختلف قسم کے پرندے چہچہا رہے تھے۔ آگے ایک چاندی کا محل تھا۔ جس کے ایک کمرے میں شہزادی بیٹھی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی لکڑہارے نے آواز دی۔

"شہزادی! میں آ گیا ہوں۔" یہ سنتے ہی شہزادی خوشی سے ناچ اٹھی۔ دونوں ایک دوسرے کو مل کر بہت خوش ہوئے۔ شہزادی نے اسے بتایا کہ یہاں ایک عقاب ہے جو ہم دونوں کو اپنے اوپر بٹھا کر پہاڑ کے نیچے پہنچا سکتا ہے۔

"لیکن اسے تو میں نے مار ڈالا" لکڑہارے نے کہا۔

"اگر میں اس کے پاؤں نہ کاٹتا تو وہ مجھے اپنے خوف ناک پنجوں سے ختم کر دیتا۔"

یہ سن کر شہزادی بہت گھبرائی۔ اتنے میں ایک مینا اُڑتی

اقوال زریں

☆ مسلمانو! اسلام میں پورے پورے آجاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ (حضرت محمد ﷺ)

☆ اگر تیرے پڑوسی تجھے اچھا کہتے ہیں تو واقعی اچھا ہے اور اگر پڑوسی کی رائے تیرے بارے میں خراب ہے تو واقعی برا آدمی ہے۔ (حضرت محمد ﷺ)

☆ جو اللہ کے کام میں لگ جاتا ہے اللہ اس کے کام میں لگ جاتا ہے۔ (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ)

☆ اٹھو جاگو اور جب تک منزل نہ پالو چین سے نہ بیٹھو۔ (مولانا محمد علی جوہر)

☆ قائداعظم نے کوئی سمجھوتہ جھک کر اور بزدلانہ انداز میں نہیں کیا۔ (لارڈ ماؤنٹ بیٹن)

☆ خدا تعالیٰ خوش خلق اور ہنس مکھ آدمی کو دوست رکھتا ہے۔ (نامعلوم)

اس کے پاس آئی اور بولی "شہزادی گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ عقاب کے مرتے ہی سب طلسم ٹوٹ چکا ہے اور ہر چیز اپنی اصلی حالت میں آچکی ہے۔" یہ سن کر شہزادی بہت خوش ہوئی۔ لکڑہارا اور شہزادی جب محل سے باہر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ واقعی شیشے کا پہاڑ بھی پگھل چکا ہے۔ وہاں پتھر اور پیڑ پودے نکل آئے۔ سب مرے ہوئے انسان بھی دوبارہ زندہ ہو گئے۔ جو خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔ سونے کا تالاب اور سونے کے پھل دینے والا درخت اپنی اپنی جگہ صحیح سلامت تھے۔ اسی درخت کے نیچے بھیانک عقاب کی لاش پڑی تھی۔ لکڑہارے نے مرے ہوئے عقاب کی طرف دیکھا اور اس کی لاش کو اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔ پھر اس نے شہزادی کا ہاتھ تھاما اور خوشی کا گیت گانے لگا۔ اسی طرح ہنستے ہنساتے ناچتے گاتے وہ محل میں داخل ہو گئے۔ شہزادی نے لکڑہارے سے اسی روز شادی کر لی۔ غریب لیکن بہادر لکڑہارا شہزادی کا شوہر بننے کے ساتھ ساتھ اس محل اور اس کی دولت کا مالک بھی بن گیا۔ وہاں موجود سب لوگوں نے محل کے آس پاس رہنے کا فیصلہ کیا اور لکڑہارے کو شہزادے کا خطاب دینے کے بعد اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

کرن کرن روشنی

☆ اپنی غلطی مان لینا فراخ دلی کی نشانی ہوتی ہے۔

☆ بداخلاق انسان سے دور رہنا ہی اچھے انسان کا شیوہ ہوتا ہے۔

☆ جو تجھے تیرا عیب بتائے وہی تیرا دوست ہے۔

☆ قناعت پسند انسان زندگی کے ہر مشکل دور سے بخوبی گذر جاتا ہے۔

☆ زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ ہنسنے کے بعد رونا بھی پڑتا ہے۔

☆ نیکی پر غرور کرنا نیکی کا اجر ضائع کر دیتا ہے۔

☆ جو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست رکھے گا اللہ تعالیٰ اُس کے معاملات لوگوں کے ساتھ درست کر دے گا۔

☆ اپنے آپ کو کھلی کتاب کی مانند بناؤ اور زندگی کو آسان بناؤ۔ نمک کا ایک چمچہ ایک گلاس پانی کو ناقابل برداشت بنا دیتا ہے مگر جھیل میں نمک کا چمچہ بھی قابل غور اثر نہیں ...۔

☆ نیکی پر غرور کرنا نیکی کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔

☆ زندگی کی مشکل اور پُر پیچ راہوں کو انسان حکمت و دانائی کے ذریعے آسان بنا سکتا ہے۔

☆ عقل مندی ہمیشہ تجسس سے شروع ہوتی ہے۔

☆ اگر آپ کچھ سوچ سکتے ہیں تو آپ اسے بنا سکتے ہیں اگر آپ کوئی خواب دیکھ سکتے ہیں تو آپ وہ بن سکتے ہیں۔

☆ مستقبل صرف اُنہی کا ہوتا ہے جنہیں اپنے خوابوں کی خوبصورتی پر یقین ہو۔

☆ ہر مشکل زندگی میں انسان کا امتحان لینے کیلئے آتی ہے۔

☆ جو مشہور ہوتا ہے وہ ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا اور جو صحیح ہوتا ہے وہ مشہور نہیں ہوتا۔

☆ انسان زندگی میں سب کچھ حاصل کر سکتا ہے مگر گذرا ہوا وقت اور کمان سے نکلا ہوا تیر کبھی واپس نہیں آ سکتے۔

مرسلہ: انجم فاروق لاہور